قول سدید

ضیاء احمد بدایونی ایم اے
سابق پروفیسر و صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ناشر:
مرکز تاریخ شناسی لاہور

قولِ سدید

مصنف:

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی

چیئرمین شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ناشر

مرکز تاریخ شناسی، لاہور

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

نام کتاب : قول سدید

مصنف : پروفیسر ضیاء احمد بدایونی

ناشر : مکتبہ تاریخ شناسی، لاہور

اشاعت : اپریل 2018ء

تعداد : 500

قیمت :

ڈسٹری بیوٹر

خانقاہ چشتیہ خانوہارنی شریف

0300-7863154

انتساب

کہتے ہیں کہ ایک غریب بڑھیا عورت سوت کی اٹّی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کو بازار پہنچی تھی۔ میں بھی کمال عجز و ادب سے اس ناچیز تحریر کو حضرت خامس آل عباء سید الشہداء جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نور دیدۂ علی و بتول امام الانس والجن سیّد شباب اہل الجنّہ ریحانۃ النبی حسین علیہ السلام کی جناب میں تقدیم کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ شاید اس انتساب کی برکت سے حشر کے روز اس عاصی کو ان کے جد امجد کے حضور میں خدامِ بارگاہ یہ کہہ کر پیش کریں کہ إنه كان يذُبُّ عن أبي عبد الله الحسين (یہ وہ ہے جو ابی عبداللہ حسین کی طرف سے مدافعت کیا کرتا تھا)

با ایں ہمہ گناہ نیم نا امید ازو
خواہم سیاہ نامۂ خود را سپید ازو

اُمیدوارِ شفاعت ضیاء

فہرست

- انتساب 3
- تقریب 8
- مقدمہ 10
- حکومتوں کی صدیوں کی سعی ناکام 11
- تلافی کی انوکھی کوشش 12
- چودھویں صدی کے ''محی السنۃ'' 13
- حسین کی مظلومیت 14
- محبوبیت 14
- کتاب کا خلاصہ 15
- سبب تحریر 15
- حرف آغاز 17
- اسلامی تواریخ کا سرمایہ 17
- ابن سعد 18
- طبری 18
- ابن اثیر 19
- افسوس ناک تلبیس 24
- بحث تاریخی ہے یا اعتقادی 25
- منصبِ خلافت اور بنی امیہ کے دعوے 27

- خلافت راشدہ 27
- دورِ ملوکیت 32
- ولی عہدی 33
- دورِ دہشت 36
- المیہ کربلا 40
- خلافت اور خلیفہ کی شرعی حیثیت 45
- بنی امیہ کا ریکارڈ 51
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ 51
- امیر معاویہ 51
- معاویہ بن یزید 53
- حضرت عمر رحمہ اللہ بن عبدالعزیز 54
- یزید 55
- طبری 55
- ابن اثیر 57
- ابن خلدون 58
- ابن کثیر 59
- ابن عماد حنبلی 61
- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ 61
- محقق سعد الدین تفتازانی 62
- ابوشکور سالمی 62
- قاضی شہاب الدین 62
- شیخ ابوالفرج ابن جوزی 63

- علامہ ابن حجر 63
- حافظ سمعانی 63
- حافظ سمہودی 64
- علامہ ذہبی 64
- علامہ سیوطی 64
- (ب) واقعہ حرۃ یا جنگ حرہ 65
- (ج) محاصرۂ مکہ 71
- گبن 77
- میور 77
- براؤن 78
- حِتّی 78
- مروان بن الحکم 79
- عبدالملک 81
- ولید 83
- سلیمان 83
- یزید 83
- ہشام 84
- ولید فاسق بن یزید 84
- یزید ناقص بن ولید 85
- ابراہیم بن ولید 85
- مروان حمار بن محمد 85
- بسر بن ارطاۃ 86

- زیاد بن ابیہ 86
- عبید اللہ بن زیاد 86
- عمر بن سعد 87
- مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کا حال 88
- حجاج بن یوسف 88
- قول فیصل 90
- طیبین کی روش 90
- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ 90
- بخاری 91
- مسلم 92
- ترمذی 92
- ابن ماجہ 93
- امام نسائی 94
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ 94
- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ 95
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ 95
- ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا 95
- حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ مشہور تابعی 95
- حضرت عبد اللہ بن عیاش 96
- سخاوت 98
- زہد و عبادت 98
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ 105

تقریب

از جناب نیاز فتح پوری

محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب خلافت معاویہ و یزید شائع بھی ہوئی، ممنوع الاشاعت بھی قرار پائی۔ صحائف و جرائد میں عرصے تک اس کا چرچا بھی رہا اور آخر کار آئی گئی بات ہوگئی لیکن اپنے اثرات ضرور کچھ نہ کچھ اپنے بعد چھوڑ گئی۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اکثر اہلِ علم نے اس کے متعلق یہی رائے ظاہر کی کہ عباسی صاحب کی یہ تالیف نہ تاریخی حیثیت سے کوئی وزن رکھتی ہے اور نہ اعتقادی حیثیت سے اعتنا کے قابل ہے لیکن ایک صاحبِ علم و فضل نقاد نے یہ رائے ظاہر کی کہ کتاب چونکہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے تاریخی نقطۂ نظر ہی سے اس کو دیکھنا چاہیے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ احکام ضبطی کے اجراء سے قبل پاکستان کو یہ کتاب مؤرخین کی انجمن کے سامنے رکھنا چاہیے تھی اور اس انجمن کی رائے معلوم کرنے کے بعد ضبطی یا عدم ضبطی کا فیصلہ کرنا مناسب تھا، ہم نہیں سمجھتے کہ خود فاضل نقاد نے تاریخ کی ورق گردانی کی تکلیف کیوں گوارا نہیں کی۔ غالباً اس لیے کہ انھیں فرصت نہ تھی یا پھر کوئی اور مصلحت تھی۔ خیر یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں۔ انھوں نے اچھا کیا کہ ضبط سے کام لیا اور کوئی بات کھل کر نہیں کہی ورنہ اگر کوئی شخص صاف صاف یہی کہہ دیتا کہ عباسی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید یقیناً زیادہ مستحقِ خلافت تھا تو کوئی کیا کر لیتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرات اہلسنّت میں صرف یہی ایک صاحب ایسے تھے جنھوں نے لگی لپٹی رائے دی ورنہ اکثر سنی علماء نے عباسی کی اس کتاب کو کھلم کھلا قابل نفرین و ملامت قرار دیا۔

یہ ایسی بات تھی کہ شیعہ حضرات کو اس سے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے خود بھی اس کتاب کا جواب لکھنے کی کوشش کی اور وہ اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین میں تہذیب کے حدود سے گزر گئے۔ یعنی انھوں نے اپنی جوابی کتاب اموی دورِ خلافت میں عباسی صاحب کے دلائل کی تردید کی طرف تو زیادہ توجہ نہیں کی، وہ خلفائے راشدین، اکابر امویّین اور بعض امہات المؤمنین کی توہین و تنقیص پر اتر آئے جس کا کوئی موقع نہ تھا۔

اگر عباسی صاحب نے اپنی کتاب اس لیے لکھی تھی کہ ملک میں ہلچل مچ جائے اور کچھ معالی

منفعت انھیں حاصل ہو جائے تو وہ یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ کیونکہ اس کتاب کے کئی ایڈیشن ہندوستان و پاکستان میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے لیکن شاید انھیں خبر نہ تھی کہ جن اوچھے ہتھیاروں سے وہ کام لے رہے ہیں، بالکل اسی قسم کے ہتھیاروں سے فریق ثانی بھی کام لے سکتا ہے اور اس نے لیا۔ یعنی شیعی جماعت کی کتاب اموی دورِ خلافت کے بھی کئی ایڈیشن آناً فاناً فروخت ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ عباسی صاحب کی کتاب نے، شیعوں کا تو خیر کیا ذکر ہے، سنّیوں کو بھی کافی دکھ پہنچایا۔ کیونکہ جس حد تک جناب حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے کردار کا تعلق ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں کا اخلاقی تقابل کبھی زیر بحث آ سکتا ہے اور عباسی صاحب پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ شروع ہی سے ان کی نیت یہ تھی کہ کہ وہ کسی طرح یزید کو امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کر کے شیعہ جماعت کی دلآزاری کر سکیں۔ حالانکہ سچ پوچھیے تو اس طرح انھوں نے سنّیوں کی بھی کم دلآزاری نہیں کی اور یہی وہ کرب و اضطراب تھا جس نے پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی کو بھی اس کا جواب لکھنے پر مجبور کر دیا۔

عباسی صاحب کی اس کتاب میں یوں تو بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن مرکزی بحث صرف خلافتِ یزید کی ہے کہ عباسی صاحب اسے جمہور کا انتخاب قرار دے کر جناب حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور یزید کے استحقاقِ خلافت کو مزید تقویت پہنچانے کے لیے اس کے زہد و اتقا اور بلندیٔ اخلاق کی بھی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عباسی صاحب نے اپنے ہر دعویٰ کے ثبوت میں اکابر مؤرخین کے اقوال و اسناد بھی پیش کیے ہیں۔ ان کی اسی کوشش نے ان کی نیت کو بے نقاب کر دیا کیونکہ ان کی کوئی سند تلبیس و تدلیس سے خالی نہیں اور سیاق و سباق سے علیحدہ ہو کر انھوں نے قصداً مؤرخین کے مفہوم کو مسخ کر دینا چاہا ہے۔

عباسی صاحب کی کتاب کے جواب میں اگر صرف ان کی تحریفات ہی کو بے نقاب کر دیا جاتا اور اس سے آگے کچھ نہ لکھا جاتا تو بھی کافی تھا لیکن پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی نے عباسی کی صرف تلبیسات ہی کو بے نقاب نہیں کیا بلکہ ان کے دوسرے دعووں کی تردید میں بھی ورق کے ورق تاریخ کے الٹ کر رکھ دیے ہیں۔ جس سے اس زمانے کی پوری تاریخ بھی سامنے آ جاتی ہے، جسے اسلام کے انتہائی فتنہ و فساد کا دور کہا جاتا ہے۔

نیاز فتح پوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لولیّہ والصّلوٰۃ علی نبیّہ وعلی آلہٖ وأصحابہ المتأدبین بأدابہ

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ہر نئی چیز سے دلچسپی لینے لگتی ہے۔ "کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ" آج اگر معاذ اللہ کوئی خیرہ سر نبوّت یا خدائی کا مدعی بن کر کھڑا ہو جائے تو یقین ہے کہ تماشائیوں بلکہ عقیدت مندوں کی ایک خاصی جماعت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کتاب خلافتِ معاویہ [1] و یزید مولفہ محمود احمد عباسی امروہوی جو حال میں پاکستان اور ہندوستان سے شائع ہوئی ہے، ہمارے دعوے کی شاہد ہے۔ کتاب کو از اوّل تا آخر پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ یہ سرتا سر شرانگیز اور گمراہ کن ہے۔ جس میں مؤلف نے پہلے سے ایک مخصوص نقطۂ نظر کے تحت واقعات کو مسخ کیا اور من مانے نتائج اخذ کیے ہیں۔ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ اور آلِ علی رضی اللہ عنہ کے فرضی مثالب تلاش کرنے اور اموی خاندان خصوصاً امیر معاویہ و یزید کے غیر واقعی مناقب دکھانے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ کاش وہ غور کرتے کہ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی ؏

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

---

[1] پہلی ہی بسم اللہ غلط۔ خود ابن کثیر جو عباسی کے معتمد علیہ ہیں، الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃً ثم تکون ملکًا عضوضًا (یعنی حضور نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہی ہو جائے گی) کی توثیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے معاویہ کو مَلک کہا جائے نہ کہ خلیفہ۔ یہ حدیث ابو داؤد و ترمذی نے روایت کی ہے اور ابن کثیر نے تسلیم کیا ہے کہ اسنادہ جید۔ وہ خود بھی کہتے تھے: انا اوّل الملوک (میں پہلا بادشاہ ہوں) اور ان کے نام کا جزو (امیر) بھی اس کا شاہد ہے۔ اس لیے کتاب کا نام خلافت معاویہ و یزید صحیح نہیں۔

حکومتوں کی صدیوں کی سعی ناکام

یہ تو ایک فرد یا معدودے چند اس کے ہم خیالوں کی کوشش تھی، سچ پوچھیے تو بنی امیہ اور بنی عباس کی زبردست اور منظم حکومتیں صدیوں سیف و قلم کے زور سے اور نیز دوسرے ذرائع سے اس کوشش میں لگی رہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے خانوادۂ طہارت کا نام اور کام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، مگر اس کوشش کا انجام کیا ہوا؟ علامہ شبلی [1] کے الفاظ میں سنیے:

''حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی۔ جنھوں نے پورے نوے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آلِ فاطمہ علیہا السلام کی توہین کی اور جمعہ میں سرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیش گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ مناوی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اور جانشین پیغمبر تھے، اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا''۔

یہ تو زبان و قلم کی حق پوشیاں تھیں۔ سنان و تیغ کی ناحق کوشیاں دیکھنا ہوں تو اموی گورنروں اور کمانڈروں، زیاد بن ابیہ، عبید اللہ بن زیاد، بسر بن ارطاۃ، مسلم بن عقبہ، حصین بن نمیر، حجاج بن یوسف، خالد بن عبد اللہ کے حالات پڑھیے، جن کی سفاکی اور تعدی کے خونیں واقعات سے تاریخ داغ دار ہے۔ ان لوگوں کے سامنے اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیتا یا آپ کی کنیت ابو الحسن منہ سے نکالتا یا آپ کی تعریف کرتا تو تازیانہ اور حبس، قطع و قتل کا مستوجب ٹھہرتا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اگر کوئی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے تو آپ کا نام مبارک مجبوراً چھوڑ دیتے، یا یوں کہتے کہ شیخ نے ایسا کہا یا ابو زینب نے اس طرح فرمایا۔ بنی امیہ سے تو چنداں تعجب نہیں کہ وہ پھر غیر تھے اور حکومت میں حریف۔ تعجب تو بنی عباس پر ہے جنھوں نے (قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے) علویوں ہی کے نام کے سہارے

[1] سیرۃ النبی، جلد اول، مقدمہ۔

خلافت حاصل کی اور پھر انھی کی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئے۔ احسان فراموشی کی حد ہو گئی۔

کس نیا موخت علم تیرا ز من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنی طاقت ور اور جبار حکومتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے آل و اطہار کی عظمت و محبت امت مسلمہ کے قلوب سے دور نہ کر سکیں اور آپ کے معاندین و مخالفین کو ملّت کی نظر میں مقبول نہ بنا سکیں تو عباسی کس شمار میں ہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کی صداقت، ان مقبولانِ الٰہی کی کرامت اور علمائے حق کی عزیمت کا نتیجہ ہے کہ آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آتا ہے۔

تلافی کی انوکھی کوشش

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مؤلف مذکور نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا ذاتی عقیدہ ہے یا کسی منفعت یا شہرت کے لیے ایسا کیا ہے، یہ تو وہ جانیں یا خدا جانے لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے (عباسی) اسلاف نے اپنی سلطنت کے آغاز میں بنی امیہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ تیرہ سو برس کے بعد اس کی تلافی پر مائل ہوئے ہیں، مؤرخین نے لکھا ہے کہ عباسیوں نے حکومت حاصل کرنے کے لیے بے شمار امویوں کا کشت و خون کیا: "ثُمَّ قُتِلَ [1] مِنْ بَنِی اُمَیَّةَ وَجُنْدِهِ مَا لَمْ یُحْصٰی مِنَ الْخَلَائِقِ" یہاں تک اقتدار پانے پر شاہانِ بنی امیہ کی لاشیں قبروں سے کھدوا کر جلوا دیں، [2] مگر کاش وہ سادات بنی فاطمہ کے ساتھ بھی تلافی کی کوشش کرتے جن کے نام پر عباسیوں نے خلافت پر قبضہ کیا اور پھر انھی سادات کو بے دخل کر کے حبس و قتل کے ذریعے ان کی بربادی کی بنا ڈالی۔ سیوطی کا بیان ہے کہ: "کَانَ الْمَنْصُوْرُ

---

[1] تاریخ الخلفاء طبری۔

[2] معلوم نہیں مؤلف اپنے اسلاف کو اس تعدّی میں حق بجانب سمجھتے ہیں یا برسرِ خطا، بہرحال دونوں طرح ان کی مشکل ہے۔

اَوَّلُ ❶ مَنْ اَوْقَعَ الْفِتْنَةَ بَيْنَ الْعَبَاسِيِّيْنَ وَالْعُلَوِيِّيْنَ وَكَانُوْا قَبْلَ شَيْئًا وَاحِدًا" یعنی منصور پہلا شخص تھا جس نے عباسیوں اور علویوں میں تفرقہ ڈالا۔ ورنہ پہلے سب ایک تھے۔

چودھویں صدی کے "محی السنۃ"

لیکن تلافی تو جب کرتے کہ حق تلفی کا احساس ہوتا۔ ان کے سامنے سلاطینِ عباسیہ کا "اسوۂ حسنہ" موجود تھا۔ انھوں نے خُذُو النَّعْلَ بِالنَّعْلِ انھی کے نقشِ قدم پر چلنا مناسب سمجھا۔ متوکل عباسی کے بارے میں مؤرخین کا بیان ہے کہ:

"كَانَ ❷ الْمُتَوَكِّلُ نَاصِبِيًّا" یعنی متوکل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی۔ یہاں تک کہ اس ❸ نے ایک دن اپنے بیٹوں معتز اور مؤید کے استاد علامہ یعقوب بن سکیت سے پوچھا کہ تمھیں میرے بیٹوں کی زیادہ محبت ہے یا حسنین کی، اس مردِ حق گو نے جواب دیا حسنین علیہما السلام کا تو بڑا مرتبہ ہے ان کا غلام قنبر بھی ان سے بہتر ہے۔ جس پر متوکل کے حکم سے یعقوب کی زبان کھچوائی گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ اسی ظالم بادشاہ نے اَمَرَ ❹ بِهَدْمِ قَبْرِ الْحُسَيْنِ وَهَدْمِ مَا حَوْلَهُ مِنَ الدُّوْرِ وَاَنْ يُحْمَلَ مَزَارِعَ وَمَنَعَ النَّاسَ مِنْ زِيَارَتِهِ وَحَرْبِ وَبَقِيَ صِحْرَاءَ۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار اس کے اس کے گرد مکانات کے ڈھانے کا حکم دیا اور اس کی جگہ ہل چلوا دیے اور لوگوں کو حضرت کی زیارت کی ممانعت کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مقام ویران ہو کر جنگل رہ گیا۔ تعجب ہے کہ اہل تاریخ متوکل کو محی السنۃ ❺ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ مؤلف کے پاس اگر اسلاف کی تلوار نہ تھی تو کیا ہوا۔ قلم تو تھا۔ ❻ انھوں نے اپنے زعم باطل میں چاہا کہ کسی طرح سیدنا

---

❶ تاریخ الخلفاء۔ ❷ ایضاً۔ ❸ ایضاً ❹ ایضاً و طبری۔

❺ اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ متوکل سے پہلے معتزلہ کے مظالم کا دور دورہ تھا۔ متوکل نے معتزلہ کو دربار سے نکال کر محدثین کو اپنا مقرب بنایا اور محی السنۃ کا لقب پایا۔

❻ شد تیغ شکستہ نیاگان قلمم، مگر اس میں بھی ان کو حیرت کا سا انفراد نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ ان سے پہلے عبد المغیث بن زبیر حربی اور قاضی ابوبکر مالکی ایسے اباطیل کی نمایش کر چکے تھے، مگر علمائے حق نے ان کو لائق التفات نہ سمجھا۔

حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت کے قصر رفیع کو اپنے تیشۂ ظلم سے ڈھا دیں اور آپ کے عظیم الشان کارنامہ کو خاک میں ملا دیں۔ کم سے کم متوکل کی سنت کے زندہ کرنے کا ثواب تو ہاتھ سے نہ جائے، مگر ان کو یہ خیال نہ آیا کہ

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے کو پف زند ریشش بسوزد

حسین کی مظلومیت

یہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد امجاد کی مظلومیت کا سلسلہ آج تک چلا جاتا ہے بنی امیہ اور بنی عباس نے اپنے دورِ حکومت میں جو جو مظالم کیے وہ تاریخ کے دفاتر میں ثبت ہیں۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ عباسی جیسے مؤلف آج بھی اسی سنت دیرینہ پر قائم ہیں۔

محبوبیت

مگر ان تمام کوششوں کے باوجود امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی محبوبیت اور قلوبِ اہلِ ایمان میں آپ کی مقبولیت دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

کیوں نہ ہو جب آپ کے حق میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اس محبوبیت کی کافی ضمانت ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

"اَنَّهٗ اَبْصَرَ حَسَنًا وَ حُسَيْنًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا"

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو دیکھا اور کہا یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر"۔

بعض روایات میں یہ اضافہ ہے کہ ان سے بھی محبت کر جو ان کو دوست رکھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دعا مستجاب تھی اور جس سے حق تعالیٰ محبت کرے اس کی محبوبیت عامہ اور مقبولیت تامہ میں شک ہی کیا ہے۔

کتاب کا خلاصہ

کتاب خلافتِ معاویہ و یزید میں جزوی مباحث تو بہت ہیں، مگر مؤلف نے دو باتوں پر خاص طور پر زور دیا ہے۔

1: حضرت علی کی خلافت معاذ اللہ ناکام تھی۔ متعدد صحابہ نے آپ کی بیعت سے گریز کیا، اس کے برخلاف امیر معاویہ کی خلافت کامیاب اور کامل تھی۔

2: یزید بلند کردار اور جائز خلیفہ تھا۔ اس لیے معاذ اللہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مؤقف صحیح نہ تھا اور آپ کا اقدام اس کے خلاف ناجائز تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ گو ضمنی مباحث کا ذکر ضمناً آجائے لیکن ان دو بحثوں سے خاص طور پر تعرض کیا جائے۔

سببِ تحریر

اچھا تو یہ تھا کہ اس شر انگیز تحریک کو حیرت کی تحریک کی طرح اس کی طبیعی موت مرنے دیا جاتا، مگر تین وجوہ جواب لکھنے کے داعی ہوئے۔

(1) حدیث نبوی کی رو سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت مامور بہ [1] ہے اس لیے جراحات السنان نہ سہی، جراحات اللسان والقلم کے مقابلے میں امام مظلوم کی حمایت ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(2) بعض ذی علم اور تعلیم یافتہ مسلمان مؤلف کے دعاوی کو دیکھ کر غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری معلوم ہوا۔

(3) چونکہ مؤلف اپنے آپ کو اہل سنت میں شمار کرتے ہیں، اس وجہ سے عام لوگوں

---

[1] حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان ابنی یقتل أرضاً یقال لها کربلاء فمن شهد منکم ذلك فلینصره" یعنی میرا فرزند ایک سرزمین میں جس کا نام کربلا ہے قتل ہوگا جو اس موقع پر موجود ہو اس کو لازم ہے کہ اس کی مدد کرے چنانچہ یہ بزرگ بھی امام کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ (اسد الغابہ۔ نیز البدایة والنهایه)

کو شبہ ہو گیا کہ معاذ اللہ اہل سنت کے مسلک میں آل رسول ﷺ سے تعلق ان نفوس قدسیہ کی محبت، عظمت یا نصرت واجب نہیں بلکہ یزید کی پوزیشن صحیح اور امام ہمام کا اقدام ناجائز تھا۔

نفس مضمون کا رد کرنے کے علاوہ ہم نے ذاتیات سے حتی الامکان اجتناب کیا اور متانت کو مدنظر رکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ائمہ کرام کی منقبت اور یزید وغیرہ کی مذمت میں کمزور اور غیر مستند احادیث و روایات کو بالقصد نظر انداز کر دیا ہے۔

وگرنہ مجال سخن تنگ نیست

ھا انا اشرع فی المقصود بعون الملك المعبود

ضیاء احمد بدایونی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۶ نومبر ۱۹۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلامی تواریخ کا سرمایہ

مسلمانوں نے تاریخ سے جس قدر اعتنا کی ہے وہ علمی دنیا کی ایک روشن حقیقت ہے۔ قطعی الثبوت ہونے کے لحاظ سے سب سے اول درجہ کلام اللہ کا ہے۔ پھر حدیثِ رسول پھر کتب سیر ومغازی اور پھر تواریخ کا۔ عربی تواریخ کو اس اعتبار سے اور زبانوں کی تاریخوں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں سلسلۂ اسناد کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یعنی مؤلف واقعۂ زیر بحث کا سلسلہ اوپر جا کر عینی شاہد سے ملا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ پہلے سے کوئی مخصوص نقطۂ نظر قرار دیے بغیر ایک واقعہ کے بارے میں جتنی روایات اس کو ملتی ہیں ان سب کو بلا کم و کاست بیان کر دیتا ہے۔ اگرچہ احادیث عہد سعادت میں ہی قلمبند ہونا شروع ہو گئی تھیں، مگر باقاعدہ تدوین کا آغاز امویوں کے عہد سے ہوا جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اہلِ علم کو حدیث مدوّن کرنے کا حکم دیا۔ البتہ مشہور کتب صحاح عہدِ عباسیہ میں تالیف ہوئیں۔ سیر و مغازی وتواریخ کی بنا بھی امویوں کے زمانے میں پڑ گئی تھی۔

قدماء کی تصانیف تو اکثر ناپید ہو چکی ہیں۔ تاہم موجودہ سرمائے میں ابن ہشام اور ابن سعد کو قدامت اور استناد میں بلند رتبہ حاصل ہے۔ واقدی کی روایات پر محققین نے سخت جرح کی ہے۔ اس لیے ان کی کتابیں خارج از بحث ہیں۔

امام بخاری کی تاریخ کبیر و تاریخ صغیر کی صحت واہمیت بھی مسلّم ہے۔ ان کے بعد امام طبری کی تاریخ جامع اور مستند ہونے کے لحاظ سے اربابِ علم میں متداول رہی ہے۔ زمانۂ

مابعد میں متعدد کتابیں اس فن پر وجود میں آئیں جن میں معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کی ہیں۔

ہم نے اس مقالے میں بیشتر صحاح ستہ سے استشہاد کیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صحیح احادیث ان کے علاوہ کہیں نہیں۔ نہ یہ کہ ان کی ہر حدیث جرح سے محفوظ ہے۔ البتہ مجموعی طور پر قرآن مجید کے بعد اہلِ سنت کے یہاں ان کو سب سے صحیح مانا گیا ہے۔ کتب صحاح کے بعد ہم نے ذیل کے مصنفین پر اعتماد کیا ہے۔

ابن سعد

ان کے متعلق خطیب بغدادی کی شہادت ملاحظہ ہو۔

"كَانَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ وَالْفَهْمِ وَالْعَدَالَةِ صَنَّفَ كِتَابًا كَبِيْرًا فِي طَبَقَاتِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اِلٰى وَقْتِهٖ فَاَجَادَ فِيْهِ وَاَحْسَنَ"

"وہ اہلِ علم وفضل وفہم وعدالت تھے۔ انھوں نے صحابہ وتابعین سے لے کر اپنے وقت تک کے راویوں کے طبقات کے متعلق ایک بڑی کتاب لکھی جو نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ مرتب ہوئی ہے"۔

حافظ ابن حجر نے ان کو صدوقٌ فاضلٌ (نہایت سچے اور عالم) تسلیم کیا ہے۔

طبری

ان [1] کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

"اِبْنُ جَرِيْرٍ مِنْ كِبَارِ اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ الْمُعْتَبِرِيْنَ"

"ابن جریر طبری رحمہ اللہ اسلام کے معتبر بڑے اماموں میں سے ایک ہیں"۔

ابن خلدون یوں رقم طراز ہیں کہ: "فنِ تاریخ میں جس قدر کتابیں میں نے دیکھی ہیں

---

[1] بعض لوگ غلطی سے طبری کو شیعیت سے متہم کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں ذہبی کہتے ہیں: "هذا رجيم بالظن الكاذب" (یہ جھوٹی بدگمانی ہے) علما نے تصریح کی ہے کہ وہ عثمانیوں (طرفدارانِ معاویہ) کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے اور ان کا تشیع امام نسائی کا سا تشیع تھا۔ یعنی حبِ اہلِ بیت تک محدود تھا۔ (تہذیب)

ان سب سے طبری کو قابلِ اعتماد پایا ہے۔

ابن خلکان کی شہادت سنیے!

"كَانَ اِمَامًا فِي فُنُوْنٍ كَثِيْرَةٍ ..... وَكَانَ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَمْ يُقَلِّدْ اَحَدًا وَكَانَ ثِقَةً فِي نَقْلِهٖ وَتَارِيْخُهٗ اَصَحُّ التَّوَارِيْخِ وَاَثْبَتُهَا".

"طبری بہت سے علوم میں امام تھے۔ وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھے جنھوں نے کسی کی تقلید نہیں کی۔ وہ واقعات کی نقل میں قابلِ اعتبار ہیں اور ان کی تاریخ تمام تاریخوں میں صحیح تر اور مستند تر ہے"۔

دائرۃ المعارف میں ہے:

"كَانَ اِمَامًا فِي فُنُوْنٍ كَثِيْرَةٍ مِنْهَا التَّفْسِيْرُ وَالْحَدِيْثُ وَالْفِقْهُ وَالتَّارِيْخُ وَغَيْرُ ذٰلِكَ وَلَهٗ مُصَنَّفَاتٌ نَفِيْسَةٌ فِي فُنُوْنٍ عَدِيْدَةٍ تَدُلُّ عَلٰى سَعَةِ عِلْمِهٖ وَغَزَارَةِ فَضْلِهٖ وَكَانَ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ."

"وہ بہت سے علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ میں امام تھے اور متعدد فنون میں ان کی عمدہ تصانیف موجود ہیں جو ان کی وسعت علم اور کمال فضل پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھے"۔

ابن اثیر

ابن اثیر کے حق میں بعض شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

ابن خلکان کہتے ہیں:

"كَانَ اِمَامًا فِي حِفْظِ الْحَدِيْثِ وَمَعْرِفَتِهٖ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهٖ وَحَافِظًا لِلتَّارِيْخِ وَخَبِيْرًا بِاَنْسَابِ الْعَرَبِ ..... صَنَّفَ فِي التَّارِيْخِ كِتَابًا كَبِيْرًا سَمَّاهُ الْكَامِلَ وَهُوَ مِنْ خِيَارِ التَّوَارِيْخِ"

"وہ حفظِ حدیث و شناختِ حدیث وغیرہ میں امام، تاریخ کے حافظ اور انساب عرب کے عالم تھے انھوں نے تاریخ میں ایک بڑی کتاب موسوم بہ کامل لکھی ہے

جو بہترین کتب تاریخ میں ہے''۔

دائرۃ المعارف کی عبارت بھی تقریباً یہی ہے:

''هُوَ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَلَّامَةُ الْمُؤَرِّخُ الشَّهِيْرُ۔ كَانَ إِمَامًا فِي حِفْظِ الْحَدِيْثِ وَمَعْرِفَتِهِ وَحَافِظًا لِلتَّوَارِيْخِ الْمُتَقَدِّمَةِ وَالْمُتَأَخِّرَةِ''

''وہ امام، عالم اور مشہور مؤرخ تھے۔ حدیث کے محفوظ رکھنے اور پہچاننے میں ماہر اور اگلی پچھلی تاریخوں کے حافظ تھے''۔

ان کے علاوہ راقم نے دوسری کتب تاریخ ''المنتظم ابن جوزی، مروج الذھب مسعودی، الفخری ابن الطقطقی۔ دول الاسلام ذہبی، شذرات الذھب ابن عماد حنبلی، محاضرات محمد خضری۔ البدایہ والنھایہ ابن کثیر وغیرہ نیز متعدد کتب رجال، کتب کلام و مناظرہ سے استفادہ کیا ہے اور واقعات کے ردوقبول میں روایت و درایت کا لحاظ رکھا ہے۔ انگریزی تاریخوں میں گبن، میور، براؤن اور حتّی کی کتابیں ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ اغیار ہیں اور گھر کی [1] حالت گھر والے ہی خوب جانتے ہیں۔ تاہم بعض طبائع اسی قسم کے بیانات سے مطمئن ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کے حوالے بھی کہیں کہیں ملیں گے۔ اوپر دی گئی کتب تاریخ میں البدایہ والنھایہ کی نسبت چند کلمات عرض کر دینا ضروری ہیں۔

اس کے مصنف حافظ عماد الدین ابو لفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر قریشی دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ہیں جو مفسر اور مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ علاوہ موصوف کے علم وفضل سے انکار نہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کا وطن دمشق (شام) اموی نواصب (دشمنان علی رضی اللہ عنہ) کا خاص گڑھ تھا اور اموی حکومت کے انقراض کے مدتوں بعد بھی وہاں کی فضا میں تعصب [2] کی

---

[1] اھل بیت اعلم بما فی البیت.

[2] ابن کثیر نے اعتراف کیا ہے کہ شامی نواصب روز عاشورا میں کھانا پکاتے، نہاتے، خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ویتخذون ذلك اليوم عيد ..... الخ (وہ اس دن جشن مناتے تھے) یہ امویوں کے زوال کے صدیوں بعد کا واقعہ ہے۔ سچ ہے قومی عصبیت آسانی سے نہیں مٹتی۔

ہوائیں چلتی رہیں۔ اس لیے غیر شعوری طور پر ان کا ناصبی روایات سے متاثر ہوجانا مقام حیرت نہیں۔ امام نسائی کا واقعہ ہمارے دعوے کا شاہد ہے۔ امام موصوف کے فضل وتقویٰ پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے اور ان کی کتاب سنن نسائی صحاح ستہ میں داخل ہے۔ صاحب تاریخ مصر (ابوسعید عبدالرحمٰن) کہتے ہیں: "کَانَ اِمَامًا فِی الْحَدِیْثِ ثِقَةً ثبتًا حافظًا" (امام نسائی حدیث کے امام، ثقہ، صادق اور حافظ احادیث تھے) انھیں امام نسائی کی روداد محمد بن اسحاق اصفہانی اور حافظ ابوالحسن دارقطنی نے اس طرح بیان کی ہے کہ جب انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کتاب الخصائص لکھی تو چاہا کہ اس کو جامع دمشق میں پڑھ کر سنائیں [1] (تاکہ بنی امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں جو ناصبیت کا رجحان پیدا ہوگیا تھا، اس کی اصلاح ہوجائے) لوگوں نے ان سے امیر معاویہ کے فضائل دریافت کیے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی۔ بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا: ''معاویہ کے فضائل کہاں ہیں ان کی کسی فضیلت سے واقف نہیں ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ نجات پا جائیں'' اس پر لوگوں نے امام نسائی کو اس قدر زدوکوب کیا کہ اسی صدمے سے وہ شہید ہوگئے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بستان المحدثین میں یہی نقل کیا ہے۔ غور کیجیے یہ واقعہ ۳۰۳ ہجری کا ہے جبکہ اموی سلطنت کے خاتمے کو ۱۷۱ سال گزر چکے تھے۔

ہمیں ابن کثیر کی دیانت پر شبہ نہیں لیکن جس ماحول میں ان کی پرورش ہوئی اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوجانا یا ناصبی روایات کو قبول کر لینا ان کے لے بعید نہ تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ شیخ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے جیسا کہ شذرات الذھب اور دوسری کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے ورع وتقویٰ، جہاد بالقلم و جہاد بالسیف کے تذکرے کتب سیر وتواریخ کی زینت ہیں۔ حتی کہ بعض نے ان کو مجدّد دینِ ملّت میں شمار کیا ہے۔ شیخ کا وطن بھی دمشق کا ایک مقام حران ہے اور سال وفات ۷۲۸ھ ہے۔ نیز یہ

[1] داوین کی عبارت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی کتاب بستان المحدثین سے ماخوذ ہے۔

امر مخفی نہیں کہ ان کے مزاج میں ایک گونہ شدت [1] تھی جیسا کہ زیارت قبر نبوی کے متعلق ان کے نقطۂ نظر سے ظاہر ہے یا ان کی کتبِ مناظرہ (مثلاً منهاج السنة) سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ کے زمانے کے علماء نے (جن میں سے بعض کی نیک نیتی یقیناً غیر مشتبہ ہے) ان کا رد کیا۔

غرض ایسی متعدد روایات جن میں ابن کثیر منفرد ہیں اور جو ناصبی اور شامی رواۃ سے پہنچی ہیں۔ البدایہ والنہایہ میں موجود ہیں۔ وہ کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ و جناب حسنین رضی اللہ عنہما کے فضائل یا بنی امیہ کی مذمت بیان کر کے فوراً کہہ دیتے ہیں کہ لا یصح ذلك (یہ صحیح نہیں ہے) اور بغیر دلیل کے اس کو مسترد کر دیتے ہیں۔ یا روایات مثالب کی ضعیف تاویل کرنے لگتے ہیں۔ یا شیعہ راویوں کے سر منڈھ دیتے ہیں۔ کبھی تو ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھ کر امیر معاویہ و یزید کی خوبیاں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی حدیثوں میں غرابت وضعف دکھاتے ہیں جیسا کہ البدایہ والنہایہ کے مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں، مگر ہنرش نیز بگو کا تقاضا ہے کہ ان کمزوریوں کے ساتھ کتاب مذکور کی خوبیاں بھی ظاہر کر دی جائیں۔ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی کثرت سے گنائے ہیں۔ آپ کے عدل و زہد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جناب عمر بن عبدالعزیز کے سامنے زاہدوں کا ذکر ہوا جس پر موصوف نے فرمایا:

"اَزْهَدُ النَّاسِ فِی الدُّنْیَا عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ" [2]

"سب سے بڑے زاہد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے"۔

ایک جگہ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ملفوظات سن کر بے ساختہ کہا مَنْ یُحْسِنُ اَنْ یَتَکَلَّمَ بِهٰذَا الْکَلَامِ اِلَّا عَلِیٌّ (یعنی علی رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا عمدہ

---

[1] ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد اول۔

[2] ابن کثیر۔

(حکیمانہ) کلام کس سے ممکن ہے) احادیث وفضائل اہل بیت "اَللّٰھُمَّ ❶ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ" وفضائل حضرات حسنین رضی اللہ عنہما "اَنَا حَرْبٌ ❷ لِمَنْ حَارَبْتُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ) بھی انھوں نے نقل کی ہیں اور ان کو صحیح مانا ہے۔ وہ حدیث اَلْخِلَافَۃُ ❸ بَعْدِی ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً نقل کرتے اور کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ معاویہ کو ملک کہا جائے نہ کہ خلیفہ۔

وھو ❹ اول الملوك انھوں نے یزید کی بعض خوبیاں ضرور گنائی ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی اس کی برائیاں مثلاً گانے بجانے ❺ سے ذوق، شراب وشکار کا شوق۔ کتے پالنا، جانور لڑانا، شہوت پرستی اور ترک صلوٰۃ بھی صفائی سے دکھا دی ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس۔

واقعہ کربلاء کہ شدائد، واقعہ حرہ کے مظالم، مروان، زیاد، عبید اللہ، مسلم بن عقبہ وغیرہ کے جور وستم کا بیان بھی ان کے ہاں اسی تفصیل سے ملتا ہے جیسا کہ دوسرے مؤرخین کی تصانیف میں ہے۔ ہم ان میں سے اکثر حوالوں کو آئندہ مفصلاً نقل کریں گے۔

ابن کثیر اور ان کی تاریخ کے ذکر میں تطویل اس لیے گوارا کی گئی کہ عباسی کے بیان کردہ ''واقعات'' کا دارومدار زیادہ تر اسی کتاب پر ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کہیں کہیں علامہ ابن تیمیہ اور ابن خلدون ❻ کی آراء بھی اپنی تائید میں پیش کی ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں کی جلالتِ قدر کے باوجود ہم ان کی آراء سے اتفاق نہیں کر سکتے جس کی دلیل اپنے مقام پر آئے گی۔ جب عباسی کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (کہ سردارِ جوانانِ جنت ہیں) کی رائے کی تغلیط کا حق ہے تو اگر ہم ادب سے کسی عالم دین یا مؤرخ کی رائے کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو

---

❶ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (ترمذی)

❷ میں اس سے لڑوں گا جس سے تم لڑو گے اور اس سے صلح کروں گے جس سے تم صلح کرو گے۔ (ترمذی)

❸ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی۔ (ابو داؤد)

❹ وہ پہلے بادشاہ تھے۔ (ابن کثیر)

❺ ابن کثیر (البدایہ والنھایہ جلد ۸)

❻ واضح رہے کہ ابن خلدون مغرب کی اموی سلطنت کے وظیفہ خوار تھے۔

کون سا گناہ کبیرہ ہو جائے گا۔

افسوس ناک تلبیس

اگر مؤلف انھی امور پر اکتفا کرتے تو شاید بات اس حد تک نہ پہنچتی، مگر غضب یہ ہے کہ انھوں نے حوالوں کے نقل کرنے میں بڑی خیانت سے کام لیا ہے۔ ان کو اختیار ہے کہ تمام دنیا جسے برا کہے اسے اچھا کہیں اور تمام دنیا جسے اچھا کہے اسے برا ٹھہرائیں۔ ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ جملہ مسلّمات اہلِ سنت سے انحراف کریں اور تاریخ و سیر بلکہ احادیث کے تمام ذخیرے کو شیعوں اور سبائیوں کا ساختہ و پرداختہ قرار دے کر اقوال شاذہ پر بنائے کار رکھیں، مگر وہ اس امر کے مجاز کیونکر ہو گئے کہ ایک ہی کتاب میں ایک جملہ جو مفید طلب ہو لے لیں اور اس کے بعد کی عبارت جو مضر پڑتی ہو، اس کو چھوڑ دیں۔ یہ خیال کرنا کہ زیر بحث کتابیں (ان کی ذاتی کتابوں کو چھوڑ کر) روئے زمین سے ناپید ہو گئیں یا (ان کے سوا) ان کے مطالب کے سمجھنے والے دنیا سے اٹھ گئے'' ایسی خوش فہمی ہے جس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اس اجمال کی تفصیل تو آگے آئے گی۔ سر دست صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔ مثلاً البدایہ و النہایہ میں ہے:

''وَقَدْ [1] كَانَ يَزِيْدُ فِيْهِ خِصَالٌ مَحْمُوْدَةٌ مِنَ الْكَرَامَةِ وَالْحِلْمِ وَالْفَصَاحَةِ وَ الشِّعْرِ وَالشُّجَاعَةِ وَحُسْنِ الرَّأْيِ فِي الْمُلْكِ وَكَانَ ذَا جَمَالٍ حُسْنِ الْمُعَاشَرَةِ وَكَانَ فِيْهِ اَيْضًا اِقْبَالٌ عَلَى الشَّهَوَاتِ وَتَرْكِ بَعْضِ الصَّلٰوةِ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ وَاِمَاتَتِهَا فِي غَالِبِ [2] الْاَوْقَاتِ''

''یزید میں بزرگی، علم، فصاحت، شاعری، شجاعت حسن تدبیر جیسی اچھی عادتیں تھیں اور وہ خوبصورت اور میل جول میں خوش مزاج تھا اور نیز اس میں شہوات

---

[1] سب حوالے نوائے البدایۃ و النہایۃ جلد ۸ کے ہیں۔

[2] بعض صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ رسول خدا کے عہد سعادت کی یادگار ایک نماز رہ گئی تھی۔ بنی امیہ نے اس کو بھی ضائع کر دیا۔

کی جانب میلان تھا اور بعض اوقات کوئی نماز ترک کر دیتا بلکہ اکثر اوقات تاخیر کر دیتا تھا''۔

مؤلف نے پہلے دو جملے جو مفید مطلب معلوم ہوئے لے لیے اور آخری جملہ جس میں یزید کا پول کھلتا تھا کمال ''دیانت داری'' سے اڑا دیا۔ اسی طرح ابن کثیر نے دوسری جگہ لکھا ہے:

''وَقَدْ رُوِیَ اَنَّ یَزِیْدَ کَانَ اِشْتَھَرَ بِالْمَعَازِفِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَالْغِنَاءِ وَ الصَّیْدِ وَاِتِّخَاذِ الْغِلْمَانِ وَالْقِیَانِ وَالْکِلَابِ وَالنِّطَاحِ بَیْنَ الْکُبَّاشِ وَالرُّبَابِ وَالْقِرَدِ''

''روایت کیا گیا ہے کہ یزید باجے گاجے، شراب خوری، موسیقی، شکار، غلام اور بردے رکھنے، کتے پالنے اور مینڈھے، ریچھ اور بندر لڑانے کے شوق میں شہرت رکھتا تھا''۔

مگر عباسی اپنے ''امیر المؤمنین'' کے ان ''کمالات'' پر پردہ ڈال کر آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح انھوں نے مروان وزیاد وغیرہ کے اوصاف کو چھپانے ہی میں عافیت سمجھی۔

ایک موقع پر عباسی نے حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد۔ اس کے بعد قصاص کا شریعت سے حق ہونا اور جناب مرتضیٰ علیہ السلام کا قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر قادر ہونا اور پھر تساہل کرنا نقل کیا ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب کا نہ یہ عقیدہ ہے نہ ان کا مقولہ۔ بلکہ شاہ صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفوں کا قول نقل کیا ہے۔ یہ خیال تو صحیح نہیں کہ عباسی کو عبارت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ہو نہ ہو انھوں نے بالقصد یہ قطع و برید کی ہے ''یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِہٖ''

بحث تاریخی ہے یا اعتقادی

بعض حضرات نے کمال نافہمی سے یہ کہہ کر کہ یہ ایک تاریخی بحث ہے مسئلے کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ''اگر یزید کی نیک کرداری اور صحیح جانشینی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اس کے خلاف (معاذ اللہ) بغاوت یا امیر معاویہ کا مطالبۂ قصاص اور

جناب مرتضیٰ کا اس میں باوجود قدرت عمداً تاخیر کرنا تاریخی طور پر ثابت ہو جائے تو بیش برآں نیست کہ ایک تاریخی انکشاف ہو گیا یا ایک علمی بحث کا پہلو نکل آیا۔ اس کو عقیدے سے کیا سروکار''۔ کاش وہ حضرات غور کرتے کہ دین کی جامعیت زندگی کی تمام سرگرمیوں پر محیط ہے۔ اس میں دینی اور سیاسی (یا تاریخی) کی تفریق کیسی؟

اگر نعوذ باللہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو جائے کہ امیر المؤمنین حضرت علی یا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا مؤقف واقعی غیر صحیح تھا تو ان نفوس قدسیہ کے بارے میں اہلِ سنت کے معتقدات، رسول پاک کے ارشادات اور ان نصوص صریحہ کی صحت و صداقت سب پر حرف آتا ہے۔

ہمارا اعتقاد جو حقائق پر مبنی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ نہ صرف اعتقادی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی اس بلند کردار اور رفیع منزلت کے مالک ہیں جو حضرات انبیاء کرام کے بعد صدیقین یا شہدا ہی کا حصہ ہے لیکن مشورہ دینے والے بزرگوں کو سوچنا چاہیے کہ ہمیں اعتقاداً اصحابہ رسول کے بارے میں کف لسان کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر صحابہ کو تاریخی پیمانے سے ناپنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تو بعض صورتوں میں بڑی دشواری پیش آئے گی۔

منصبِ خلافت اور بنی امیہ کے دعوے

خلافت راشدہ

مسئلہ خلافت اہلِ سنت کے نزدیک اصولِ دین میں تو نہیں، فروع میں داخل ہے لیکن فروع میں اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ امت کی دینی و دنیاوی زندگی کا سارا نظام خلافت کے قیام پر موقوف ہے۔ اسی لیے صحابہ نے انعقادِ خلافت کو رسولِ خدا ﷺ کی تکفین و تدفین پر مقدم رکھا۔ سرور دو عالم ﷺ کی وفات پر مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی کے استخلاف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور امت نے اس تقرر کو منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخر وقت میں چھ بزرگوں میں شوریٰ کے ذریعے سے امرِ خلافت کو دائر کیا۔ یہ حضرات عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے۔ آخری چار بزرگوں نے اپنے نام واپس لے لیے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے جو مجلس شوریٰ کے داعی (Convener) تھے۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا وعدہ کرو کہ کتاب اللہ، سنت رسول اور سیرتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے مطابق حکومت کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو خود اجتہاد کا مرتبہ رکھتے تھے، سیرتِ شیخین کی شرط ماننے سے انکار کیا۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنھوں نے تمام شرائط کو تسلیم کر لیا خلیفہ ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھا کر آپ کے خاندان کے لوگ جو بڑے بڑے مناصب پر فائز ہو گئے تھے، بدعنوانیاں کرنے لگے اور آخر کار مروان کی شرارتوں کی وجہ سے (جو حضرت کا ابن عم، داماد اور سیکرٹری تھا) لوگ آمادۂ فساد ہو گئے جس سے آپ کی شہادت کا افسوس ناک حادثہ واقع ہوا۔

اب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زمامِ خلافت سنبھالنے کو کہا، مگر آپ نے انکار کیا۔ آخر انصار و مہاجرین کے اصرار پر آپ نے اس منصب کو قبول کر لیا۔ خلیفہ ہوتے ہی آپ نے اموی عمال کو جن کا طرزِ عمل ناپسندیدہ تھا، معزولی کے احکام بھیجے ان میں معاویہ بھی تھے۔ جو حضرت عثمان کے قرابت دار اور خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے امارتِ شام پر قابض تھے۔ وہ ایک بااثر اور صاحب تدبیر انسان تھے اور آسانی کے ساتھ اپنے اختیارات سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خلیفۂ برحق کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں جنگ جمل رونما ہوئی جس میں ایک طرف ابن عم، دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کے مددگاروں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں۔ بات یہ ہوئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلوے میں شہید ہوئے تھے اور ان کا قاتل متعین نہ ہو سکا تھا۔ البتہ مخالفین عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ملے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ (جمل) پر فوج کی کمان کر رہی تھیں اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق سے برأت فرمائی اور مصالحت کی انتہائی کوشش کی، مگر بے سود۔ آخر جنگ ہوئی جس کا نتیجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح کی شکل میں ظاہر ہوا۔

ابھی اس ہنگامے سے فراغت ہی ہوئی تھی کہ امیرِ شام (معاویہ) قصاص کی آڑ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل میں صف آراء ہوئے۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں جو تاریخ میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہیں، مگر شیر خدا کے مقابلے میں ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ آخر امیر معاویہ نے اپنے مشیر خاص حضرت عمرو بن العاص کی صلاح سے کئی سو یا کئی ہزار قرآن امان کے لیے نیزوں پر بلند کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس چال کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا، مگر مخالفوں کی تدبیر کارگر ہوئی اور آپ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ہمیں اپنے امام کی اطاعت کرنا اور جنگ جاری رکھنا چاہیے۔ دوسرے کہتے تھے کہ ہم

قرآن کے مقابلہ میں کیونکر ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔ اس پھوٹ کا انجام یہ ہوا کہ حضرت کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی۔

بالآخر یہ طے ہوا کہ ہر فریق کی طرف سے ایک حَکَم مقرر ہو اور دونوں حَکَم چھ ماہ کے بعد اپنا فیصلہ صادر کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، مگر آپ کے لشکر والوں نے نہ مانا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حَکَم بنا دیا۔ فریق ثانی کی طرف سے جناب عمرو بن العاص حَکَم مقرر ہوئے۔ مقررہ وقت پر دونوں حَکَم جمع ہوئے اور افسوس کہ اس موقع پر بھی عمرو بن العاص کی چال چل گئی اور فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوا۔ الغرض دونوں فریق واپس ہوئے اور اپنے اپنے مقبوضات پر حکومت کرتے رہے۔ [1] اگرچہ امیر معاویہ کے جنرل [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاقے پر چڑھائی کرتے اور بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

اسی [3] زمانے میں فتنۂ خوارج کا ظہور ہوا جس کو امت کی بدبختی کے سوا کیا کہا جائے۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قراء و عباد تھے۔ جو نہایت دلیر اور جنگ جو تھے۔ جب دونوں فریقوں نے تحکیم (حَکَم مقرر کرنا) پر آمادگی ظاہر کی تو یہ گروہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے) کے نعرے لگاتا ہوا آپ کے لشکر سے جدا ہو گیا۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف جنگ نہروان میں فوج کشی کرنی پڑی اور خوارج کو سخت ہزیمت ہوئی۔ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ سب کی تکفیر کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام اور خوارج کا موازنہ کس بلیغ انداز میں کیا ہے، فرماتے ہیں: ''اول الذکر نے باطل کو ڈھونڈا اور پا لیا اور آخر الذکر نے حق کو ڈھونڈا، مگر نہ پایا''۔ جنگ نہروان کو دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ

---

[1] طبری و ابن اثیر۔

[2] مثلاً بسر بن ارطاۃ۔

[3] طبری۔

ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم (اشقی الامۃ [1]) نے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو جب آپ نمازِ فجر کی امامت فرما رہے تھے، شہید کر دیا۔ وفات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ خلیفہ بنایا جائے، اس پیکر عدل نے جواب دیا کہ میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ گویا آپ نے ایک طرف اس منصب عظیم کو موروثی بھی گوارا نہ فرمایا اور دوسری طرف کسی مستحق کی حق تلفی بھی پسند نہ کی۔ بلکہ انتخاب کو ارباب حل وعقد کے فیصلے پر چھوڑ دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے اور جن صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی بیعت کی، مگر افسوس کہ امیر معاویہ نے آپ کے خلاف بھی فوج کشی کی۔ چونکہ آپ خونریزی کو ناپسند فرماتے تھے، اس لیے خلافت سے دست بردار ہو گئے اور صلح نامہ مرتب ہو گیا۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کی وہ پیشگوئی ظاہر ہوئی جس میں فرمایا گیا ہے:

"اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (بخاری)

"میرا یہ فرزند سیّد (سردار) ہے اور کیا عجب ہے کہ اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے!"

نیز وہ پیشگوئی پوری ہوئی، جس میں خلافت کی مدت معیّن فرما دی گئی ہے۔

"اَلْخِلَافَةُ [2] فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ" (ترمذی)

---

[1] اس امت کا سب سے بڑا بدبخت (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کے لیے حضور نے فرمایا ہے) ملاحظہ ہو خصائص نسائی۔

[2] حضرت سفینہ صحابی نے جو راوی حدیث ہیں، خود شمار کر کے بتایا کہ خلافت اول 2 سال خلافت ثانی 10 سال۔ ثالث 12۔ رابع 6 (دراصل 30 سال میں چھ ماہ باقی تھے۔ وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پورے ہو گئے۔ سعید نے حضرت سفینہ سے پوچھا کہ بنی امیہ بھی تو اپنے کو خلفاء کہتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ یہ بنو زرقاء جھوٹے ہیں۔ یہ تو بادشاہ ہیں اور برے بادشاہ۔ اسی حدیث کو ⇦⇦⇦

''خلافت میری امت میں تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہو جائے گی''۔

شرائط ❶ صلح حسب صراحت مؤرخین یہ تھیں۔

(1) امام حسن کے قرضے ادا کر دیے جائیں اور حضرات حسنین اور بنی ہاشم کو وظائف دیے جائیں۔

(2) اہلِ مدینہ وعراق وغیرہ میں جو ہوا خواہانِ بنی ہاشم ہیں، ان سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے۔

(3) حضرت علی پر سبّ وشتم موقوف کیا جائے۔

(4) امیر معاویہ اپنے بعد کسی کو ولی عہد نہ کریں بلکہ ان کے بعد خلافت امام حسن رضی اللہ عنہ کو واپس آئے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شرط اول کے علاوہ کوئی شرط شرمندۂ ایفا نہیں ہوئی۔

⇦⇦⇦ عباسی کے معتمد علیہ ابن کثیر نے اپنی عصبیت کے باوجود تسلیم کیا ہے، مگر عباسی اس کو اپنے مفید مطلب نہ پا کر انکار کرتے ہیں، انھوں نے ایک راوی حشرج کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تمام ائمہ رجال ان کو ناقابل احتجاج کہتے ہیں۔ حالانکہ کتب رجال میں ان کو صدوق (بہت سچا) مانا گیا ہے اور امام احمد اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور اسی طرح ابن معین، ترمذی اور ابوداؤد نے سعید کی توثیق کی ہے۔ پھر عباسی نے کہا ہے کہ حضرت سفینہ صحابی اور ان سے روایت کرنے والے سعید بن جمہان کے سنینِ وفات میں 62 (سال) کا فرق ہے۔ علاوہ بریں، سفینہ مدنی ہیں اور سعید بصری، مگر جن لوگوں کی رواۃ حدیث پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ شبہات تارِ عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ کیا یہ مستبعد ہے کہ ایک شخص دوسرے سے روایت کرے۔ دراں حالیکہ دونوں کے سال وفات میں 62 سال کا تفاوت ہو یا ایک بصرہ کا رہنے والا ایک مدینہ کے ساکن سے سماعتِ حدیث کرے۔ ان لغو اعتراضات سے عباسی صحیح حدیث کا رد اور اپنے ممدوحین کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔

وھذا العمری فی القیاس بدیع.

❶ یہ شرائط طبری، مسعودی، اور ابن اثیر نے بیان کی ہیں۔ البتہ آخری شرط ابوالفرج ابن جوزی اور علامہ ابن عبدالبر نے نقل کی ہے۔ ابن کثیر بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قد کانت لمّا صالح الحسن عھد للحسن بالامر من بعدہ.

دور ملوکیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد امیر معاویہ کے لیے میدان صاف ہو گیا اور وہ بلا مزاحمت تمام دنیائے اسلام پر قابض ہو گئے۔ تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں [1] میں حضرت علی رضی اللہ عنہ برسرِ حق تھے اور معاویہ برسرِ خطا (اگرچہ اکثر علماء اس کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کرتے ہیں) امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہے۔ بلکہ امام احمد کا یہ قول خود ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ چار ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ کسی نے امیر معاویہ کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا:

"لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَحَقَّ بِالْخَلَافَةِ فِي زَمَانِ عَلِيٍّ مِنْ عَلِيٍّ"

"علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی مستحقِ خلافت نہ تھا"۔

حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:

"مَا كَانَتْ فِي عَلِيٍّ خَصْلَةٌ تَقْصُرُ بِهِ عَنِ الْخِلَافَةِ وَلَمْ تَكُنْ فِي مَعَاوِيَةَ خَصْلَةٌ يُنَازِعُ بِهَا عَلِيًّا"

"علی میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو خلافت سے مانع ہو۔ نہ معاویہ میں کوئی ایسا وصف تھا جس کی بنا پر علی رضی اللہ عنہ سے نزاع کرتے"۔

آخر 50ھ میں کسی بدبخت نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا جس سے آپ کی شہادت

---

[1] بخاری میں ہے: ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار۔ افسوس عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کہ یہ اس کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ گروہ ان کو دوزخ کی طرف بلائے گا۔ ظاہر ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں شہید ہوئے ہیں۔ اس صریح فرمانِ نبوی کے بعد بھی کیا تاویل کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اسی لیے شاہ صاحب نے تحفہ میں کہا ہے کہ جب تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح نہ ہو گئی امیر معاویہ کی حیثیت باغی کی تھی۔

واقع ہوئی۔ دق کے مرض سے وفات ہونا جیسا کہ عباسی کہتے ہیں محض [1] بے اصل ہے۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ آخر وقت خود امام مظلوم وسیّد مسموم نے فرمایا:

"لَقَدْ سُقِيْتُ السَّمَّ مِرَارًا وَمَا سُقِيْتُ مِرَّةً هِيَ اَشَدُّ مِنْ هٰذِهٖ"

"یعنی مجھے کئی بار زہر دیا گیا ہے لیکن اب کی بار سب سے قاتل زہر پلایا گیا ہے"۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرد
بر گردن او بماند و برما گذاشت

ولی عہدی

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد امیر معاویہ کو کوئی کھٹکا نہ رہا اور انھوں نے اطمینان سے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کی تدبیر شروع کر دی۔ ان کا مقصد تھا کہ خلافت جو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نزاع کر کے حاصل کی ہے، ہمیشہ ان کے گھر میں رہے۔ باپ کے بعد بیٹا یعنی ملوکیت اور موروثی ملوکیت کی ضیاء اسلام میں پہلے انھی سے پڑی۔ ہوا یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو جو کوفہ کے والی تھے، انھوں نے معزول کیا جب وہ دیر میں حاضر ہوئے تو وجہ پوچھی، انھوں نے جواب دیا کہ میں آپ کے فرزند کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا۔ انھوں نے مغیرہ بن شعبہ کو بحال کر کے حکم دیا کہ جاؤ تم اپنا کام کرتے رہو۔ واضح رہے کہ حضرت مغیرہ کا انتقال 50ھ میں ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ 50ھ یا اس سے کچھ پہلے انھوں نے مشورہ دیا ہوگا۔ اس وقت بااثر مسلمانوں کے مرکز مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ تھے۔ کوفہ اور بصرہ کا انتظام تو چنداں دشوار نہ تھا، مگر حجاز خصوصاً مدینے میں چند ایسے بزرگ تھے جن کے ہوتے ہوئے ولی عہدی کی تحریک کا کامیاب ہونا مشکل تھا۔ یعنی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابی بکر، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت

[1] تپ دق کا شگوفہ ناصبیوں نے امام کی شہادت پر پردہ ڈالنے کے لیے چھوڑا ہے تاکہ ان کے ممدوحین پر حرف نہ آئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر۔ اس لیے جناب معاویہ 51ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ان حضرات سے گفتگو کی، مگر سب نے صاف جواب دے دیا۔ [1]

یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ امیر معاویہ کے خاص مشیروں میں زیاد کو بھی ولی عہدی سے اختلاف تھا۔ اس نے دبی زبان سے کہہ دیا تھا کہ یزید: "صَاحِبُ رَسْلَةٍ وَتَهَاوُنٍ مَعَ مَا قَدْ اَوْلَعَ بِهِ مِنَ الصَّيْدِ" یعنی یزید میں کاہلی اور سستی ہے اور اسی کے ساتھ اس کو شکار کی دھت ہے، غرض اکابر خمسہ کے انکار اور زیاد کے اختلاف کی بنا پر اس وقت خاموشی ہی مصلحت سمجھی گئی۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ معاویہ نے حضرت عبدالرحمٰن کو ایک لاکھ درہم بھیجے، مگر انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیے۔ لَا اَبِيْعُ دِيْنِيْ بِدُنْيَايَ (کیا میں دنیا کی خاطر اپنا دین بیچوں؟)"

جب 53ھ میں عبدالرحمٰن کی اچانک وفات ہوگئی اور اسی سال زیاد بھی مر گیا تو پھر دیرینہ منصوبے کو عمل میں لانے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ چنانچہ 56ھ میں جناب معاویہ پھر حجاز گئے اور انھی اکابر سے ملے۔ ان سب نے پھر یزید کی ولی عہدی پر اعتراض کیا۔ تب انھوں نے مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے یزید کی ولایت عہد کا اعلان کر دیا۔ اول تو حاکم وقت کی موجودگی میں اس کے اثر سے جو رائے حاصل کی جائے اس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے دوسرے یہ بزرگ جو یقیناً اربابِ حل وعقد میں شمار ہوتے تھے، صاف انکار کر چکے تھے۔ خود ابن کثیر لکھتے ہیں:

"ثُمَّ خَطَبَ مُعَاوِيَةُ وَهٰؤُلَاءِ حُضُوْرٌ تَحْتَ مِنْبَرِهٖ وَبَايَعَ النَّاسَ

---

[1] یہ واقعات طبری۔ ابن اثیر اور ابن کثیر سے ماخوذ ہیں۔ عباسی نے یہ کہہ کر یہ واقعہ 56ھ کا بتایا جاتا ہے اور اس وقت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رحلت کر چکے تھے، شبہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ تواریخ سے امیر معاویہ کا اس سلسلہ میں دوبارہ حجاز جانا ثابت ہے اور پہلی بار میں حضرت عبدالرحمٰن سے اور ان سے سخت کلامی ہوئی تھی، دوسری بار میں عبدالرحمٰن انتقال فرما چکے تھے۔ یہاں تاریخوں کے باب میں ابن کثیر کو التباس ہوگیا ہے۔

لِيَزِيْدَ وَهُمْ قُعُوْدٌ وَلَمْ يُوَافِقُوْا وَلَمْ يُظْهِرُوْا خِلَافاً لِمَا تَهَدَّدَهُمْ وَتَوَعَّدُهُمْ فَاتَّسَقَتِ الْبَيْعَةُ لِيَزِيْدَ"

''پھر معاویہ نے خطبہ پڑھا، درآں حالیکہ یہ بزرگ ان کے منبر کے قریب موجود تھے اور لوگوں نے یزید کی بیعت کی، مگر ان صاحبوں نے نہ موافقت کی نہ اختلاف کیونکہ معاویہ نے ان کو دھمکیاں دی تھیں۔ غرض یوں یزید کی بیعت مکمل ہوگئی''۔

اے سبحان اللہ! اگر اسی کا نام تکمیل بیعت ہے تو پھر عدم تکمیل کس کا نام ہے۔ سچ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس کارروائی نے اسلامی جمہوریت کی روح کو بے طرح مجروح کر دیا۔ بیعت کرنے والوں میں کئی قسم کے لوگ تھے۔ (1) شامی اور ان کے ہم خیال جن کا مفاد یزید کی بادشاہی سے وابستہ تھا۔ (2) عامۃ الناس جن کو یقین دلایا گیا کہ اصحابِ مذکور نے بیعت کر لی ہے۔ تمھیں کیا عذر ہے۔ (3) وہ صحابہ جو یزید کو برا جانتے ہوئے بھی مجبوراً یا خونریزی کے خوف سے بیعت پر آمادہ ہوگئے۔ تاہم سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دھمکیوں کے باوجود راضی نہ ہوئے۔

دوسری تاریخوں میں بھی یہ واقعہ بجنسہ مذکور ہے، مگر ہم نے اس جگہ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر کے حوالے پر اکتفا کیا جو عباسی کے نزدیک بہت قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ کہیں اوپر عرض کیا گیا، یہ مؤرخ جہاں شامیوں اور ناصبیوں کی روایات بے دریغ قبول کرتا ہے وہاں ایسی روایات بھی لاتا ہے جن میں متفق علیہ واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً اہلِ بیت طہارت کے فضائل یا بنی امیہ کے مفاسد لیکن آفرین ہے ان کے مقلد عباسی کی ''دیانت'' کو کہ ایسی روایات کو یا اڑا جاتے ہیں یا اس کو شیعوں کے سر منڈھ دیتے ہیں یا پھر لا تقربوا

الصَّلوۃ کی طرح مفید مطلب عبارت لے کر باقی کو حذف کر دیتے ہیں۔

اس موقع پر انھوں نے یہی قطع و برید کی ہے یعنی اوپر کی عبارت کو خلاف پا کر اڑا گئے اور فاتسقت البیعة لیزید (یزید کی بیعت مکمل ہوگئی) کا راگ الاپنے لگے۔ ❶

اس سلسلے میں حضرت احنف بن قیس کا قول سننے کے قابل ہے۔ ان سے امیر معاویہ نے پوچھا کہ تم نے اپنے بھتیجے (یزید) کو کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا:

"اِنَّا نَخَافُ اللّٰہَ اِنْ کَذِبْنَا وَاِنَّا نَخَافُکُمْ اِنْ صَدَقْنَا" (ابن کثیر)

"اگر ہم جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر ہے اور سچ بولیں تو تمھارا ڈر ہے"۔

اس کے بعد 60ھ میں جناب امیر معاویہ نے سفر آخرت کیا اور ان کی ولایت شام 20 سال رہی اور امارت تقریباً 20 سال اور یزید ان کا جانشین ہوا۔

دورِ دہشت

(Reign Of Terror) امیر معاویہ ❷ آخر وقت میں یزید کو وصیت کر گئے تھے کہ تیرے خلاف تین شخصوں سے خطرہ ہو سکتا ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ اول الذکر کو تو عبادت کے سوا کوئی کام نہیں۔ رہے حسین رضی اللہ عنہ تو ان کو اہلِ عراق ضرور اکسائیں گے۔ پس اگر ان پر قابو پانا تو درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے

---

❶ ولی عہدی کا اعلان جن حالات میں کیا گیا، ان کی صحیح تصویر ابن کثیر نے امیر معاویہ کے ایک افسر یزید بن مقنع کے الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے۔ اس نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا: "امیر المؤمنین ھذا وان ھلك فھذا ومن ابی فھذا" امیر المؤمنین یہ ہیں معاویہ اور اگر ان کا انتقال ہو جائے تو یہ (یزید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور جو انکار کرے گا اس کا علاج یہ (تلوار کی جانب اشارہ کر کے) اس پر امیر معاویہ نے کہا: "ھذا سید الخطباء" (البیان والتبیین)

❷ طبری۔ ابن اثیر، البیان والتبیین، میں اس کے برخلاف اس طرح ہے: "اما الحسین بن علی فانی ارجو ان یکفیك اللّٰہ بمن قتل اباہ وخذل اخاہ" رہے حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سو مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کے ذریعے سے جنھوں نے ان کے والد کو قتل کیا تھا اور ان کے بھائی کا ساتھ چھوڑا، خدا ان کے مقابلے میں تیرے لیے کافی ہوگا۔

قرابت دار اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ہیں۔ ہاں ابن زبیر لومڑی کی طرح دھوکا دینے والے اور شیر کی طرح حملہ کرنے والے ہیں۔ ان پر اگر اختیار حاصل ہو تو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

یزید نے حکومت پاتے ہی والیٔ مدینہ ولید بن عقبہ کو حکم بھیجا کہ حسین علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت لینا اور ہرگز نہ چھوڑنا۔ ولید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پیام سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔ جب بالاتفاق سب مسلمان بیعت کر لیں گے تو ایک واضح صورت سامنے آجائے گی۔ مروان نے جو ہمیشہ سے آلِ رسول ﷺ کا دشمن تھا، اس موقع پر ولید کو جبر کرنے اور بصورت دیگر امام کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، مگر حضرت نے فرمایا کہ یہ جرأت نہ ولید کی ہو سکتی ہے اور نہ تیری کہ مجھے قتل کرے اور وہاں سے چلے آئے۔ درحقیقت بنی امیہ (خصوصاً یزید) جس راہ عمل پر گامزن تھے امام جانتے تھے کہ وہ سنت نبوی کے سراسر خلاف ہے۔ امام کا مقصد اپنی خلافت کا قیام نہ تھا۔ کوئی بھی مرد صالح امت کی قیادت کے لیے کھڑا ہو جاتا تو یقیناً آپ اس کی تائید فرماتے، مگر یزید جیسے فاسق کے ہاتھ میں ہاتھ دینا آپ برا سمجھتے تھے۔ یوں اگر آپ خلافت کے طالب ہوتے تو بے شبہ احق تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اپنے برادر معظم کی طرح ۴۰، ۵۰ ہزار افراد کی جمعیت آپ کو بھی مل جاتی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر خلافت موروثی چیز تھی تو رسولِ خدا ﷺ کی وراثت حسین رضی اللہ عنہ کو پہنچتی تھی نہ کہ یزید کو اور اگر اس کا مدار دین وتقویٰ پر ہے۔ (جیسا کہ دراصل ہے) تو بھی یزید کو آپ سے وہی نسبت تھی جو خاک کو عالم پاک سے، مگر دراصل آپ کا مطمح نظر اصلاح اور تجدید دین تھا۔

مدینہ کے حالات پُرآشوب دیکھ کر آپ نے مع اہل عیال مکہ کا رخ کیا۔ بہت سے صاحبوں نے آپ کو روکنا چاہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ عباسی کا بیان ہے کہ آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے جو یزید کی بیعت کر چکے تھے۔ آپ کو حکومت کی مخالفت سے منع کیا، مگر یہ روایت ناصبی ذرائع سے آئی ہے۔ طبری کی روایت [1] جو زیادہ صحیح اور قرین قیاس ہے یہ ہے

---

[1] ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایۃ (جلد 8) میں اس کو تسلیم کیا ہے۔

کہ محمد بن حنفیہ نے آپ کو مکہ معظّمہ جانے اور وہاں بھی سکون نہ ملے تو پہاڑوں اور ریگستانوں میں قیام فرمانے اور حالات کا مطالعہ کرنے کی صلاح دی۔ غرض آپ مکہ میں قیام پذیر ہوگئے، مگر وہاں اہل کوفہ کے خط پر خط آئے کہ ہم نے یزید کی بیعت نہیں کی اور ہم اس کو حکومت کا اہل نہیں سمجھتے۔ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ آیئے اور ہماری رہنمائی فرمایئے۔ ورنہ خدا کے ہاں آپ جواب دہ ہوں گے۔ جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا تو حضرت نے اپنے ابن عم مسلم بن عقیل کو کوفے بھیجا کہ وہاں پہنچ کر صحیح حالات سے مطلع کریں۔ مسلم جب کوفہ پہنچے تو ان کا پرتپاک خیر مقدم ہوا اور ہزاروں اشخاص نے ان کے روبرو امام کی رفاقت کا عہد کیا۔ چنانچہ انھوں نے یہ تمام کیفیت امام کو لکھ بھیجی لیکن افسوس کہ اہلِ کوفہ نے بمصداق "الکوفی لا یوفی" عبیداللہ بن زیاد والیٔ کوفہ کے خوف سے مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا اور مسلم اور ان کے ہوا خواہوں کو شربت شہادت پینا پڑا۔

مسلم کا خط آنے پر حضرت امام مع رفقاء و اہل حرم مکہ سے عازم کوفہ ہوئے اس موقع پر کئی خیر خواہ مانع آئے۔ امام نے معذرت کر کے سفر جاری رکھا۔ یہ جھوٹ ہے کہ ان لوگوں نے یزید کی مخالفت کو گناہ قرار دیا بلکہ ابن زبیر نے تو حجاز میں رہ کر اعلان خلافت کی رائے دی تھی۔ ابن عباس [1] نے فرمایا تھا کہ آپ یمن جائیں جہاں آپ کے پدر بزرگوار کے ہوا خواہ بکثرت ہیں۔ امام نے ان مشوروں کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے کہ مکہ میں آپ کو گرفتار یا قتل ہو جانے کا خوف تھا۔ آپ کا ارشاد ہے: لَوْ لَمْ اُعَجِّلْ لَأُخِذْتُ (اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا) نیز آپ نے فرمایا کہ رسول مقبول ﷺ کی حدیث ہے کہ ایک مینڈھے [2] کے ذبح ہونے سے حرم مکہ کی بے حرمتی ہوگی اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کا مصداق بنوں۔ رہا یمن تو وہ بھی کوفہ کی طرح یزید کے عمال کی قبضے میں تھا۔ فرق اتنا تھا کہ یمن والے خاموش تھے۔ ان کے برخلاف اہل کوفہ حضرت کو اپنی رہنمائی کے لیے پیہم طلب کر رہے تھے۔ یہاں

---

[1] ابن کثیر۔

[2] عجیب اتفاق ہے کہ حضرت ابن زبیر ہی بعد کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرے۔

سوال یہ ہے کہ جب دوسرے صحابہ نے یزید کی حکومت پر سکوت بارضا سے کام لیا تو اکیلے امام ہی نے کیوں مخالف اقدام پر اصرار کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کبھی باطل کے طوفان آتے ہیں اور ظلم وفسق کی آندھیاں چلتی ہیں تو ایسا نہیں ہوتا کہ تمام امت گناہ کو صواب اور باطل کو حق سمجھنے لگتی ہو۔ البتہ اکثر حضرات اپنی مجبوریوں اور تشدد کی سرزوریوں کے سامنے رخصت کے دامن میں پناہ لیتے ہیں لیکن ایسے موقع پر عزیمت کا مردمیدان "کَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ" کا ترجمان، جہاد فی سبیل اللہ کا علم بردار بسالت کا شہ سوار ایک اور صرف ایک [1] ہوتا ہے۔ خود امام ہمام فرماتے ہیں:

"لوگو! رسولِ خدا نے فرمایا کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم ہو، حرام کو حلال سمجھتا ہو، عہدِ خدا کو توڑتا ہو۔ سنتِ رسول ﷺ کے خلاف کرتا ہو اور بندگانِ خدا کے ساتھ ظلم وسرکشی سے پیش آتا ہو اور پھر قولاً یا فعلاً اس پر اعتراض نہ کرے تو خدا اس کو بھی اسی کے اعمال میں شریک کرے گا۔ سنو! ان حکام نے شیطان کی اطاعت کرلی ہے۔ خدا کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے۔ فساد کو ظاہر، حدودِ شرع کو معطل، غنیمت کو غصب، حرامِ خدا کو حلال، حلالِ خدا کو حرام کر رکھا ہے ان پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ مجھے حق ہے۔

امام عالی مقام کو سیّد الشہداء کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ کبھی کبھی خیال ہوتا تھا کہ یہ لقب تو سرورِ عالم نے سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا لیکن ایک حدیث سے یہ عقدہ حل ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا:

"سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ وَرَجُلٌ قَامَ اِلَی اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهٗ فَقَتَلَهٗ" (طبرانی اوسط)

"سیّد الشہداء، حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں، نیز وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے مقابلے میں کھڑا ہو

---

[1] ہمارے ہندوستان ہی کو دیکھ لیجیے کہ جب اکبر جہانگیر نے یہاں بدعات کا بازار گرم کیا تو اگرچہ اس وقت شیخ عبد الحق محدث جیسے حق پرست علماء کی کمی نہ تھی لیکن بادشاہ وقت کو دلیرانہ ٹوک دینا اور قید و بند برداشت کرنا صرف ایک مردِ مجاہد کا حصہ تھا۔ جس کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اور اس کو شریعت کے اوامر و نواہی پہنچائے اور مارا جائے''۔

المیہ کربلا

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ [1] کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی۔ آپ نے رفقاء سے صاف فرما دیا کہ حالات بدل چکے ہیں۔ اس لیے جو واپس جانا چاہے اس کو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اس پر کچھ لوگ منتشر ہو گئے، مگر باقی جانباز رفقاء جو مدینے سے ساتھ آئے تھے، ثابت قدم رہے۔ بعض نے حضرت کو بھی واپسی کی صلاح دی، مگر حضرت مسلم کے بھائی مصر ہوئے کہ مسلم کا بدلہ لیں گے ورنہ جان دے دیں گے۔ حضرت کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ جو لوگ آپ کی وجہ سے شریک سفر ہیں ان کو تنہاء چھوڑ دیں۔ یہ بھی خیال تھا کہ شاید کوفی آپ کو دیکھ کر وعدے کا پاس [2] کریں، غرض کہ سب آگے بڑھے۔ ایک منزل پر دشمن کی فوج کا ایک دستہ جس کا افسر حُر تھا اور جسے امام کو گھیر کر لانے کا حکم ہوا تھا، سدِّ راہ ہوا۔ ہم جزئیات چھوڑتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ متعارف بھی ہیں اور دل خراش بھی۔

مختصر یہ کہ امام ایسے مقام پر اترنے کے لیے مجبور ہوئے جہاں کوئی پانی کا چشمہ بھی نہ تھا۔ اس کے علاوہ راہوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ بعض ساتھیوں نے عرض کی بعد میں بڑی فوجیں آئیں گی۔ کیوں نہ حُر کے دستے سے ہم نبٹ لیں۔ فرمایا: میں اپنی طرف سے سبقت کرنا پسند نہیں کرتا۔ آخر لوگوں کے مشورے سے آپ ساحل فرات کے قریب کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ کوفے کا حاکم ابن زیاد تھا، جو اپنے باپ زیاد کی طرح سفا کی اور بے باکی میں مشہور تھا اور حکومت کے خوش کرنے کے لیے دین و ایمان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس لیے عمر بن سعد کو امام کے مقابلے کے لیے جانے کا حکم دیا۔ یہ مشہور جلیل القدر

---

[1] طبری و ابن اثیر۔

[2] ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حکومت نے تمام ناکے بند کرا دیے تھے۔ اس لیے مسلم کی خبر شہادت کے بعد امام کی واپسی قطعاً محال تھی۔

صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور رے کی حکومت کے لیے نام زد ہو چکا تھا۔ ابن سعد نے اول اپنے سر پر یہ مظلمہ لینا پسند نہ کیا لیکن آخر حکومت رے کا لالچ دین پر غالب آیا اور وہ آمادہ ہو گیا۔

تمام مؤرخین نے امام کا کربلا میں ورود 2 محرم کو اور ابن سعد کی آمد 3 محرم کو بیان کی ہے۔ عباسی نے منزلوں کی مسافت اور قاتلوں کی رفتار وغیرہ کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ امام 8 ذوالحجہ کو چل کر 2 کو کربلا پہنچ ہی نہ سکتے تھے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاکم مکہ کے آدمیوں سے بچنے کے لیے جو حضرت کو واپس لانے کی غرض سے بھیجے گئے تھے، آپ غیر معمولی سرعت سے روانہ ہوئے تھے۔ جن کے ثبوت میں لا یلوی [1] علی احد پیش کیا جا سکتا ہے۔ ابن سعد نے کوشش کی کہ حضرت واپس تشریف لے جائیں اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ حضرت امام بھی اس پر آمادہ ہو گئے۔ ظلم و فسق کی حکومت کو برطرف کرنا یقیناً ایک عمل عزیمت تھا، مگر اس کے لیے شرط تھی نصرت کرنے والوں کی رفاقت اور عام خونریزی نہ ہونے کا یقین لیکن اب دونوں باتیں مفقود تھیں۔

مگر ابن زیاد اور اس کا مشیر شمر خاندان رسول ﷺ کے دشمن تھے۔ چنانچہ ابن زیاد نے کوفہ سے شمر کو اس حکم کے ساتھ ابن سعد کے پاس روانہ کیا کہ اگر ابن سعد جنگ میں تساہل سے کام لے تو معزول کر دیا جائے گا اور شمر اس کی جگہ لے۔ نیز ابن زیاد نے تاکید کی کہ امام اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا جائے۔ پہلے تو ابن سعد اس حکم پر برہم ہوا، مگر آخر دنیا دین پر غالب آ گئی اور وہ جنگ پر آمادہ [2] ہو گیا۔ مؤرخین [3] کا بیان ہے کہ اس موقع پر امام نے تین صورتیں پیش فرمائی تھیں۔ (1) میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں۔ (2) مجھے کسی سرحدی مقام پر جانے دیا جائے جہاں کفار سے جہاد میں مصروف رہوں۔ (3) مجھے یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔ طبری کی ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے فاضع یدی فی یدہ (میں

---

[1] یعنی حضرت ایسی سرعت سے سفر کر رہے تھے کہ کسی کی طرف مڑ کر نہ دیکھتے تھے۔

[2] طبری۔ [3] ایضاً۔

اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں) لیکن ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ٹکڑا نواصب کا بڑھایا ہوا ہے جس سے حسین رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ کردار اور مقدس مقصد کو گھٹانا مدنظر ہے۔ یہ گمراہ کن اضافہ روایۃً و درایۃً ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(1) یہ روایت پہلے طبری کے یہاں ملتی ہے۔ ان سے دوسروں نے نقل کی ہے۔ اس کے راویوں میں ایک شخص مجالد بن سعید محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے۔ [1]

عقبہ بن سمعان [2] جو شروع سے آخر تک امام کے رفیق و ہم سفر رہے اور آپ کے تمام مخاطبات کے گواہ ہیں، بہ قسم کہتے ہیں: "فَوَاللّٰهِ مَا اَعْطَاهُمْ مَا يَزْعُمُوْنَ مِنْ اَنَّهٗ يَضَعُ يَدَهٗ فِي يَدِ يَزِيْدَ" "بخدا آپ نے ہرگز یہ صورت جیسا کہ مخالفوں نے مشہور کر رکھی ہے، پیش نہیں فرمائی، کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں گے" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اموی حکومت کے وفاداران ازلی نے (جن کی آج بھی کمی نہیں) یہ پروپیگنڈا اس زمانے میں ہی کر رکھا تھا جس کی عقبہ بن سمعان کو تردید کرنی پڑی۔ اس روایت میں خود "قیل" کا لفظ جو مشتبہ روایت کے ساتھ بولا جاتا ہے، اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے۔ عقبہ نے کسی سرحدی مقام پر جانے کی شرط سے بھی انکار کیا ہے۔

(3) بعض کتابوں میں یہ بات ابن سعد کے قول کی حیثیت سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ مخالف کے بیان کا جو ایک طرفہ ہے کیونکر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(4) طبری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اور ابن سعد میں مذاکرات تنہائی

---

[1] سیر الصحابة جلد 6.

[2] ابن اثیر و کتاب الحسین مطبوعہ مصر خود ابن کثیر نے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت کو صحیح نہیں مانا اور اس کے خلاف عقبہ بن سمعان کا قول نقل کیا ہے۔ اصل روایت میں عن ابی معشر عن بعض مشیخته ہے۔ یعنی ابو معشر سے منقول ہے اور انھوں نے اپنے کسی شیخ سے سنا تھا۔ یہ مجہول روایت کیونکر مقبول ہو سکتی ہے۔ ابن کثیر نے ایک جگہ امام کا یزید کی طرف روانہ ہو جانا بھی لکھ مارا ہے، مگر یہ افترا ہے اور کسی دوسری تاریخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ دراصل نواصبِ شام کی من گھڑت ہے۔

میں ہوئے تھے اور لوگوں میں ان کا چرچا ہو گیا۔ بغیر اس کے کہ انھوں نے کچھ سنا ہو یا جانتے ہوں۔ کتاب الحسین کی عبارت یوں ہے تَحَدَّثَ النَّاسُ وَاِنْ لَمْ یَسْمَعُوْہُ یعنی لوگوں میں بے سنے ہوئے چرچا ہو گیا۔ اسی سے روایت بالا کا لغو ہونا ظاہر ہے۔

(5) اگر حضرت بیعت پر آمادہ ہوتے تو دشمن کو لڑائی کی ضرورت ہی کیا تھی؟

(6) خود امام عالی مقام کا ارشاد اس کی تکذیب کرتا ہے۔ جب کوفیوں میں سے قیس بن اشعث نے حضرت علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ اپنے قرابت داروں کا کہنا کیوں نہیں مان لیتے یعنی یزید کی اطاعت کیوں نہیں کر لیتے تو اس پر حضرت علیہ السلام نے فرمایا: ''میں ❶ ذلت کے ساتھ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والا اور غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کرنے والا نہیں''۔

(7) جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے خانوادہ مطہر خصوصاً سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی جبلی شجاعت، بلند سیرت اور بے نظیر عزیمت سے واقف ہو گا وہ ایک لمحہ کے واسطے بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ آپ موت سے ڈر کر اپنے فیصلے سے پھر سکتے تھے۔ خود امام علیہ السلام کا ارشاد اَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِیْ آپ کے کردار کا آئینہ ہے۔ گویا شاعر نے آپ ہی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَاِنَّا لَقَوْمٌ ❷ مَا نَرٰی الْقَتْلَ سَبَّۃً اِذَا مَا رَاَتْہُ عَامِرٌ وَسَلُوْلُ

غرض ناصبی پارٹی کا یہ جھوٹا پروپیگنڈا روایت و درایت کی کسوٹی پر ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ ابن سعد نے ابن زیاد کے تاکیدی اور تہدیدی حکم کے بعد جنگ کا فیصلہ کیا۔ یہ 9 محرم تھی۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے عبادت کے لیے ایک رات کی مہلت مانگی۔ ابن سعد تیار نہ ہوا، مگر ایک ساتھی کے شرم دلانے پر ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے وہ رات عبادت و تلاوت میں بسر کی۔ نیز

❶ لا واللّٰہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقرلھم اقرار العبید (ابن کثیر)۔ البدایۃ والنھایۃ جلد 8.

❷ ہم ایسے لوگ ہیں جو قتل ہو جانے کو عیب نہیں سمجھتے۔ ہاں ابن عامر و بنی سلول ضرور عیب سمجھتے ہیں۔

اپنے رفقاء کی تعریف کی اور شکریہ کے بعد فرمایا کہ ان اشقیا کو مجھ سے پرخاش ہے تم سے نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک میرے اہل بیت سے ایک کا ہاتھ تھامے اور شب کی تاریکی میں یہاں سے نکل جائے۔ سب جانبازوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ اگر ہم آج بچ گئے تو کل آپ کے جد امجد کو کیا جواب دیں گے۔ صبح کو امام ابھی نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ملاعنہ کی فوج سے تیر آنے لگے۔ لکھا ہے کہ بد بخت [1] ابن سعد نے یہ کہہ کر تیر چلایا لوگو گواہ رہو کہ حسین رضی اللہ عنہ پر پہلا تیر چلانے والا میں ہوں۔ اب باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی جو صبح سے ظہر یا عصر تک جاری رہی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے وفادار، رفیق، بھائی، بیٹے اور عزیز قلت تعداد کے باوجود نہایت بہادری سے لڑے اور ایک ایک دلاور نے بیسیوں اشقیا کو فی النار کیا۔ اس کے کئی وجوہ تھے۔ اول تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان قریش میں جرأت میں مسلّم تھا۔ دوسرے جو شخص زیست سے مایوس (Desperate) ہو جائے اس کا سامنا کرنا آسان نہیں۔ تیسرے حضرت علیہ السلام کو اور آپ کے رفقاء کو اپنے حق پر ہونے کا یقین تھا۔ اس کے برخلاف اکثر کوفی یہ محسوس کرتے تھے کہ ہم ایک سخت مظلمہ اپنے سر لے رہے ہیں۔

بالآخر تمام ساتھی شہید ہو کر رہگرائے جنت ہوئے اور سب سے آخر میں سردار جوانانِ جنت کی باری آئی۔ جنھوں نے بہت سے لعینوں کو قتل کرنے کے بعد جامِ شہادت پیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کربلا کے بہتر شہیدوں میں حبیب بن مظاہر جیسے بوڑھے، علی اکبر رضی اللہ عنہ جیسے نوجوان اور علی اصغر رضی اللہ عنہ جیسے شیر خوار بھی تھے۔ اس حادثہ فاجعہ کے بعد بھی ان ذلیل اور سنگدل دشمنوں کا دل نہ بھرا اور طرح طرح کے مظالم و شدائد اٹھا کر اہل بیت نبوی کو اسیران روم و شام کی طرح ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں کوفہ و دمشق جانا پڑا اور آخر

---

[1] خدا کی شان دیکھیے۔ ابن سعد کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاص جب احد میں مشرکوں کا مقابلہ کر رہے تھے تو ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ انھی سعد کا نحس فرزند کربلا میں جگر گوشۂ رسول پر پہلا تیر چلا رہا ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

دمشق سے مدینہ کو واپسی ہوئی۔ [1] علامہ سیوطی نے سچ کہا ہے۔ وَفِیْ [2] قَتْلِہٖ قِصَّۃٌ فِیْھَا طُوْلٌ لَا یَتَحَمَّلُ الْقَلْبُ ذِکْرَھَا فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

خلافت اور خلیفہ کی شرعی حیثیت

اس دردناک المیہ کے بیان کے بعد ہم خلافت اور خلیفہ کی شرعی حیثیت پر بحث کرنا چاہتے ہیں جس سے حضرت امام علیہ السلام کا مؤقف بھی واضح ہو جائے گا۔

کتب عقائد اہل سنت سے ثابت ہے کہ امامت (خلافت) فروع دین میں داخل ہے اور یہ کہ نصب امام امت پر واجب ہے۔ شرح عقائد نسفی میں جو صدیوں سے ہمارے درسیات میں رائج ہے۔ صاف تحریر ہے کہ یَشْتَرِطَانِ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ اَھْلِ الْوِلَایَۃِ الْمُطْلَقَۃِ الْکَامِلَۃِ (خلیفہ کے لیے شرط ہے کہ ولایت مطلقہ کاملہ رکھتا ہو۔ یعنی مسلم، آزاد مرد عاقل و بالغ ہو) نیز یہ صراحت ہے کہ لَا یَنْعَزِلُ الْاِمَامُ بِالْفِسْقِ وَالْجَوْرِ مراد یہ ہے کہ خلیفہ فسق و ظلم سے معزول نہیں ہوتا۔ تشریح [3] یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک خلیفہ ہو یا قاضی فسق و ظلم سے معزول ہو جاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے لیکن حنفیہ کے ہاں اس امر میں تفصیل ہے۔ یعنی اگر قدرت ہو اور عام خونریزی کا اندیشہ نہ ہو تو ایسے خلیفہ کو معزول کیا جا سکتا ہے جو مصالح ملی کو ضائع کر رہا ہو ورنہ نہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور مقرر کرنے کے بعد اس کی اطاعت لازم لیکن یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں اگر کوئی خلیفہ کی بیعت ہی نہ کرے یا کر کے توڑ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے بیعت نہ کرنے والا ضرور گناہ گار ہو گا لیکن اگر ارباب حل و عقد میں سے کچھ لوگ کسی جائز وجہ سے بیعت سے انکار کریں تو کوئی

---

[1] کامل ابن اثیر جلد 4.

[2] آپ کی شہادت کا قصہ طویل ہے جس کے بیان کی قلب میں طاقت نہیں۔

[3] بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ قاضی فسق سے معزول ہو جاتا ہے نہ کہ امیر۔ کیونکہ پہلی صورت میں فتنہ کا خوف نہیں۔ دوسری میں خوف ہے۔

مضائقہ نہیں بلکہ ارباب حل وعقد پر شرعاً واجب ہے کہ اگر قدرت ہو تو ایسے شخص کی بیعت سے پرہیز کریں۔ جس سے مصالح امت کے ضائع ہونے کا ظن غالب ہو۔ رہا دوسرا سوال، اس کی بابت شافعیہ وحنفیہ کا مسلک اوپر گزرا۔ شرح مواقف میں ہے:

"لِلْاُمَّةِ خَلْعُ الْاِمَامِ وَعَزْلُهٗ بِسَبَبٍ يُوْجِبُهٗ مِثْلَ اَنْ يُوْجَدَ مِنْهُ مَا يُوْجِبُ اِخْتِلَالَ اَحْوَالِ الْمُسْلِمِيْنَ وَانْتِكَاسَ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَاِنْ اَدّٰى خَلْعُهٗ اِلٰى فِتْنَةٍ اِحْتَمَلَ اَدْنَى الْمُضَرَّتَيْنِ"

"یعنی امت کو خلیفہ کے اتار دینے اور معزول کر دینے کا حق ہے کسی ایسی وجہ سے جو عزل کو واجب ٹھہرائے مثلاً اس سے ایسے امور سرزد ہوں جن سے مسلمانوں کی بربادی اور دین کی خرابی لازم آئے اور اگر اس کا عزل خونریزی کا باعث ہو تو دونوں باتوں میں وہ جس سے کم نقصان ہو برداشت کی جائے۔ صاحب منہاج لکھتے ہیں کہ ایسا شخص جماعۃ مسلمین کی بیعت سے امام ہوا ہو اور مسلمانوں پر عدالت وشفقت سے حکومت کرتا ہو اور جو ایسا نہ کرے وہ خلیفۂ برحق نہیں ہے۔ اس کی اعانت نہ چاہیے بلکہ اس کے خلاف خروج واجب ہے"۔

امام ابو حنیفہ کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ ان کے زمانے میں 122ھ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن امام زین العابدین نے ہشام اموی کے خلاف اور پھر 145ھ میں حضرت محمد رحمہ اللہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نفس رضیہ نے منصور عباسی کے مقابلہ میں خروج کیا۔ اس وقت امام نے بڑی جرأت کے ساتھ ان سادات کرام کی حمایت کی۔ مال سے اعانت فرمائی اور لوگوں کو ان کی نصرت کی ترغیب دی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

"خُرُوْجُهٗ اَيْضًا هِيَ خُرُوْجُ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ بَدْرٍ"

"یعنی ان کا خروج بدر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے مشابہ ہے"۔

محمد نفس زکیہ کے خروج کی نسبت فقہائے ملت کا قول تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت واپس آ رہا ہے۔ نیز محمد رحمہ اللہ کے بھائی ابراہیم رحمہ اللہ جب منصور کے لشکر سے لڑنے نکلے

ہیں تو کَانَ اَبُوْ حَنِیْفَۃُ یُجَاھِرُ فِی اَمْرِہٖ وَ یَاْمُرُ بِالْخُرُوْجِ مَعَہٗ (امام یافعی) ابوحنیفہ رحمہ اللہ علانیہ ان کی حمایت کرتے تھے اور ان کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ محدث ابراہیم بن سوید نے اس زمانے میں ان سے پوچھا کہ آج کل حج کرنا افضل ہے یا حکومت سے مقابلہ کرنا۔ فرمایا اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے افضل ہے۔ دوسرے موقع پر ارشاد کیا کہ ابراہیم رحمہ اللہ کی مدد کفار سے جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ [1] مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ عباسیوں نے مسلمانوں پر جبر کر کے بیعت لی ہے اور جبر یہ قسم واقع نہیں ہوتی۔ [2] ان فتووں کے بعد ان سلاطین جور نے ان ائمہ ہدیٰ سے جو انتقام لیا وہ تاریخ کے اوراق میں آج تک محفوظ [3] ہے۔ ان حضرات کے قول و عمل کو دیکھنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مسئلہ معلومہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا یہ اکابر امت عباسی کے برابر بھی احکام شریعت کی روح سے واقف نہ تھے۔

یہ صحیح ہے کہ جو خلیفہ باضابطہ طور پر منتخب ہو، اس سے انحراف کرنا اس کی بیعت توڑنا جائز نہیں اور ایسا شخص دنیا میں مستوجب قتل اور آخرت میں مستحقِ عذاب ہے جب کہ احادیث نبوی سے [4] مستفاد ہوتا ہے، مگر کوئی خلیفہ صحیح طریقہ سے منتخب تو ہو۔

امیر معاویہ نے جس طرح خلیفۂ برحق سے نزاع کیا تمام اہل سنت اس میں حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو مصیب [5] اور معاویہ کو خاطی مانتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کا قول اوپر گزرا کہ

"اھل سنت قاطبۃً اجماع دراند بر آنکہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتدائے امامت حضرت امیر تاغایت تفویض حضرت امام حسن بہ او ازبغاۃ بود کہ اطاعت امام وقت نداشت"

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا گیلانی۔

[2] ایضاً۔ [3] سیرۃ النعمان شبلی۔

[4] اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما (مسلم)

[5] علی ہذا، اصحاب جمل و اہل نہروان کے مقابلے میں بھی تمام سنی آپ کو برسر صواب تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں کتب کلام و عقائد۔

''اہل سنت سب کے سب اس امر پر متفق ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت سے حضرت حسن علیہ السلام کی تفویض حکومت تک باغیوں میں سے تھے کہ امام وقت کی اطاعت نہیں کرتے تھے''۔

خود حدیث نبوی حضرت عمار رضی اللہ عنہ رفیق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں موجود ہے۔

''وَیْحٌ عَمَّارٌ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ یَدْعُوْهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیَدْعُوْنَهٗ اِلَی النَّارِ'' (بخاری)

''افسوس عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا کہ یہ اس کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ ان کو دوزخ کی طرف''۔

بخاری کی اس حدیث کے بعد کون مسلمان اس کو جھٹلانے کی جرأت کرے گا؟

امیر معاویہ نے بااختیار ہونے کے بعد جمہوری طریقے کو نظر انداز کر کے دباؤ سے اپنے بیٹے کی لوگوں سے بیعت لی لیکن چند بزرگوں نے دباؤ کے باوجود بیعت نہیں کی۔ ان بزرگوں میں سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے ظلم وفسق کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس کے خلاف اقدام کیا اور آخر اس حدیث پاک کے مصداق ہوئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص جو ظالم خلیفہ کے خلاف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی غرض سے اقدام کرے اور اس کے حکم سے مارا جائے وہ شہیدوں کا سردار ہے۔ خدا سمجھے قاضی ابوبکر بن عربی [1] مالکی اندلوسی کو جس نے نہایت گستاخی اور دیدہ دہنی سے یزید کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ''قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِسَیْفِ جَدِّهٖ'' (معاذ اللہ) حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے۔ یعنی انھوں نے بغاوت کی اس لیے شرع محمدی کی رو سے واجب القتل ہوئے۔ نعوذ باللہ منھا۔ کَبُرَتْ [2] کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔

امام کے بعد مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر نے یزید کے خلاف خروج کیا اور اسی

---

[1] یہ شخص شیخ محی الدین ابن عربی مشہور صوفی بزرگ سے مختلف ہے۔

[2] بڑا سخت کلمہ ہے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے یہ لوگ نرا جھوٹ کہتے ہیں۔

زمانے میں مدینہ کے تمام صحابہ و تابعین نے (بہ استثنائے چند) یزید کی بیعت کا رسہ اپنی گردنوں سے نکال دیا۔ اگر قاضی ابوبکر، شیخ عبدالمغیث [1] اور عباسی کا مؤقف صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ تمام صحابہ، تابعین، مجتہدین، علمائے اعلام اور سادات کرام معاذ اللہ ضلالت پر جمع ہو گئے تھے اور صرف یہ صحابی زادہ (یزید) اور اس کے ہم کار و ہم خیال ہدایت پر تھے؛ بلکہ سلف سے لے کر خلف تک تمام اہل سنت ایک غلط عقیدے پر مصر رہے اور ان کا سواد اعظم گمراہی پر مجتمع ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت کا رد امام حسن کی دست برداری پر ختم ہو چکا تھا اور ملوکیت و امارت شروع ہو گئی تھی۔ یزید بھی ایک بادشاہ تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کا تقرر ولی عہدی حکومت کے دباؤ سے ہوا۔ پھر اس کا طریق کار سراسر خلاف شریعت محمدی ﷺ تھا۔ ایسی صورت میں ہر صاحب عزیمت کو حق تھا کہ مسند رسول ﷺ کو یزید جیسے ناپاک شخص کے وجود سے پاک کرے۔ ترمذی اور ابو داؤد میں حدیث اَلْخِلَافَةُ [2] فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ وَبَعْدُ ذٰلِكَ موجود ہے۔ یعنی خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں:

"اَیْ اَلْخِلَافَةُ الْمَرْضِیَّةُ اِنَّمَا هِیَ لِلَّذِیْنَ صَدَقُوْا الْاِسْلَامَ بِاَعْمَالِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِسُنَّةِ النَّبِیِّ ﷺ فَاِذَا خَالَفُوْهَا فَهُمْ مُلُوْكٌ وَاِنْ سُمُّوْا خُلَفَاءَ"

"خلافت پسندیدہ وہ انھی کی ہے جو اپنے عمل سے اسلام کی تصدیق کریں اور سنت محمدی ﷺ کے پابند ہوں اور جو اس کے خلاف ہوں، وہ ملوک ہیں، اگرچہ نام کے خلفاء ہوں"۔

---

[1] قاضی ابوبکر اور شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی۔ یہ دونوں سخت ناصبی گذرے ہیں۔ قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب العواصم میں بے حد زہر اگلا ہے اور عبدالمغیث نے یزید کی فضیلت میں ایک کتاب لکھ ماری ہے جس کا رد علامہ ابن الجوزی نے فرمایا ہے۔ ابن جوزی کی تصنیف کے بارے میں ابن کثیر کی رائے ہے کہ فاجادو اصاب۔ یعنی انھوں نے خوب اور صحیح رد کیا ہے۔

[2] اس حدیث پر بحث اوپر گزری۔

اس کو خواہ خلافت غیر مرضیہ (ناپسندیدہ) کہیے یا ملوکیت مطلب بہر صورت حاصل ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ خلافت حدیث کے مطابق حضور ﷺ کے بعد تیس سال رہی اور تیسویں سال حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شہادت واقع ہوگئی۔

"فَمُعَاوِيَةُ وَمَنْ بَعْدَهُ لَا يَكُوْنُوْنَ خُلَفَاءَ بَلْ مُلُوْكًا وَأُمَرَاءُ"

"پس معاویہ اور ان کے بعد والے خلفا نہیں بلکہ ملوک اور امراء ہیں"۔

خلافت جانشینی کا نام ہے اور جانشین کا فرض ہے کہ جس کی جگہ پر بیٹھا ہے اس کی نیابت کا حق صحیح طور پر ادا کرے۔ ہم آئندہ بتائیں گے کہ یہ لوگ کہاں تک نیابت کا حق ادا کرتے تھے۔ دراصل سطحی نظر والے سلطنت کے لوازم مثلاً سیاسی انتظام اور فتوحات کے اہتمام کو دیکھ کر خلافت کے ترانے گانے لگتے ہیں۔ حالانکہ رسول ﷺ کی نیابت اور دنیاوی ملوکیت کو ایک پیمانے سے ناپنا سخت نادانی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول ﷺ کے مقدس مشن کی مخالفت میں ابوجہل کے بعد بنی امیہ نے نمایاں حصہ لیا اور جب اسلام قوی ہوگیا اور اس کا مقابلہ کرنا آسان نہ رہا تو یہ لوگ داخل اسلام ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی پاکیزہ صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا ان کو پورا موقع نہیں ملا۔ یزید نے ابتدائی زمانہ قبائل کی آب و ہوا میں گزارا۔ باقی اوقات شاہی محل [1] کے ناز و نعمت میں۔ ظاہر ہے کہ ایک آزاد و خودسر امیر زادے کی زندگی جس ماحول میں بسر ہوتی ہے، وہی ماحول اس کو ملا۔ ہم آگے چل کر یزید کے مختصر حالات اور اکابر امت کے اس بارے میں خیالات پیش کریں گے جس سے ناصبیوں کی دسیسہ کاریوں کا راز آشکارا ہوگا اور واضح ہوگا کہ یزید اور اس کے رفقائے کار دراصل نام کے مسلمان تھے۔ ورنہ خاندان رسول ﷺ کی تباہی و شعائر اسلام کی بے حرمتی اور شریعت محمدی کی اہانت جس کو سن کر آج بھی عامۃ المسلمین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان سے وقوع میں نہ آتی۔

---

[1] یزید کی "تہذیب" کے سلسلے میں عباسی کا وہ بیان ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے یزید اور اس کے اتالیق کی گفتگو انساب الاشراف سے نقل کی ہے۔

بنی امیہ کا ریکارڈ

یہ خاندان قریش کے بااثر اور طاقتور خاندان میں تھا۔ یہ لوگ سیاست دانی اور مصلحت کوشی میں ممتاز تھے۔ اس خاندان کے سلاطین یا امراء کے پورے حالات و اعمال کا جائزہ لینا تو مؤرخ کا فرض ہے۔ ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آیا اس خاندان کی حکومت واقعی بقول عباسی موجب فوز و فلاح تھی یا منبع ظلم و فساد، مگر سب پر ایک حکم لگا دینا قرین انصاف نہیں۔ جب ہم بنی امیہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو چند افراد کو مستثنیٰ کر دینا ناگزیر ہوتا ہے۔ مثلاً

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

اگرچہ آپ اموی خاندان سے ہیں لیکن دراصل خلفائے راشدین میں آپ کا شمار ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ احادیث صحیحہ آپ کی فضیلت پر ناطق ہیں اور تمام اہل سنت آپ کے سوابق خدمات اور فضائل کمالات کے معتقد ہیں۔ [1]

امیر معاویہ

شروع میں وہ اور ان کے والد ابوسفیان مؤلفۃ القلوب میں تھے۔ بعد کو کتابت وحی یا کتابت مراسلات پر مامور ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے بھائی والیٔ شام بنائے گئے۔ ان کے انتقال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا تقرر ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انھوں نے وہاں کافی اقتدار حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے قصاص [2] کی آڑ میں جناب مرتضیٰ علیہ السلام کے خلاف خروج کیا اور بعد

---

[1] اسد الغابہ۔

[2] حضرت علی کے مقابلے میں ان کی واحد خصوصیت خلیفۂ مقتول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ولی ہونا تھی۔ ابن کثیر نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ مجھے شام و مصر کا والی بنا دیں تو میں ان سے بیعت کر لوں، مگر حضرت علی اس قسم کے سمجھوتے کو سراسر ناروا سمجھتے تھے۔

کو تمام بلاد اسلام پر قابض ہو گئے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یہ اسلام میں پہلے بادشاہ تھے جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے هُوَ اَوَّلُ الْمُلُوْكِ اور پہلے شخص تھے جنھوں نے صحابہ واولاد صحابہ کے ہوتے ہوئے اپنے ناخلف فرزند یزید کو ولی عہد کیا۔ حضرت حسن ❶ بصری کہتے تھے کہ معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں کہ ان میں سے ایک بھی ہوتی تو موجب ہلاکت تھی۔ (1) (اس امت پر جاہلوں کو مسلط کر دینا) (2) اپنے شراب خور بیٹے کو ولی عہد مقرر کر دینا (3) زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا اور حجر بن عدی ❷ کو قتل کرنا۔ (طبری) یہ بھی ان کا قول ہے کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو قیامت تک اسلام میں جمہوریت رہتی (سیوطی) اس کے علاوہ ان کے عمال ❸ لوگوں پر ظلم کرتے اور مسجدوں ❹ میں منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتے تھے اور وہ روا رکھتے تھے۔ امیر معاویہ حضور کے صحابی اور ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ ان کے فضائل میں متعدد احادیث ملتی ہیں، مگر امام نسائی جو صحاح ستہ میں سنن نسائی کے جامع ہیں اور جو علمائے حدیث کے نزدیک اِمَامًا سَابِقَةً ثَبَتًا حَافِظًا فَقِيْهًا کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں بلکہ بعض احادیث تو وَضَّاعِيْنَ كَذَّابِيْنَ نے ایسی تصنیف کی ہیں جن کی شکل ہی سے آثار وضع ظاہر ہیں۔ حتی کہ ابن کثیر جیسے مؤرخ نے جس کو امویوں کے مناقب اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالب نقل کرنے کا بڑا شوق ہے ان کے ضعف وغرابت کا اقرار کیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ

---

❶ طبری و ابن اثیر.

❷ حضرت حجر صحابی ہیں۔ محب اہل بیت ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں اور امیر معاویہ صرف صحابی ہیں۔ حجر نے کوئی بغاوت نہیں کی تھی۔ البتہ وہ حکومت پر تنقید کرتے اور جب منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دی جاتی تو جواب میں زیاد کو برا بھلا کہتے تھے (ابن کثیر) اس خطا پر مجھے مارا کہ گناہ گار نہ تھا۔

❸ عمال کا ذکر آگے آئے گا۔

❹ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو خود انھوں نے ترغیب دی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کریں۔ (الاتسب ابا تراب) مگر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کر کے اس ''خدمت'' سے انکار کر دیا۔ ڈر ہے کہ عباسی امام مسلم کو بھی شیعہ یا سبائی نہ کہہ دیں۔

حضور ﷺ پرنور نے فرمایا اَلْاُمَنَاءُ ثَلٰثَةٌ جِبْرِیْلُ وَاَنَا وَ مُعَاوِیَةُ امین تین ہیں۔ حضرت جبریل میں اور معاویہ۔ یا راوی کے پاس ایک شیر کا آنا اور کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تم معاویہ کو سلام پہنچا دو اور بتا دو کہ وہ جنتی ہیں۔ ❶ یا یہ روایت کہ قیامت میں معاویہ کی تلاش ہوگی۔ بڑی دیر کے بعد ملیں گے اور بتائیں گے کہ میں سایہ عرش اعظم میں نور کی کرسی پر بیٹھا تھا اور یہ اعزاز اس لیے ملا کہ دنیا میں لوگ بہت برائی کے ساتھ میرا ذکر کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ان کے لیے باب مناقب تو نہیں ہے البتہ ذکر معاویہ ہے۔ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انه فقیه . ❷ مسلم میں ان کے فضائل کا ذکر نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو کسی کام کے لیے تین بار طلب فرمایا اور ہر بار یہ جواب آیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں جس پر حضور ﷺ ناخوش ہوئے اور ان کو بددعا دی۔ ابو داؤد و ابن ماجه ونسائی میں بھی نہیں۔ البتہ ترمذی میں دو حدیثیں آئی ہیں جن کے متعلق امام نسائی کی رائے اوپر بیان ہوئی۔

اگرچہ اس کا طرز عمل خصوصاً سیدنا علی مرتضیٰ وحسنین رضی اللہ عنہم کے ساتھ اچھا نہ تھا لیکن ان کی صحابیت کے پیش نظر ہم کف لسان وسکوت اختیار کرتے ہیں۔ تاہم ❸ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کو لانا بے جا تعصب اور ہٹ دھرمی ہے۔

معاویہ بن یزید

یہ نیک دل نوجوان یزید کا فرزند تھا جو اس کے بعد مسند نشین ہوا اور دو یا تین ماہ کے بعد رحلت کر گیا۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق میں نقل کیا ہے کہ معاویہ بن یزید نے خطبے میں

---

❶ ابن کثیر نے خود اس پر حاشیہ چڑھایا ہے کہ خواب دیکھا ہوگا۔

❷ انھوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھی تھی جس پر یہ کہا گیا حالانکہ حضرت حسن بصری نے تین رکعت پر اجماع کا ہونا نقل کیا ہے۔

❸ نہ صرف ہمارا بلکہ سواد اعظم اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ علامہ ابن تیمیہ یا حال میں عباسی کا اس سے اختلاف کرنا خرق اجماع ہے۔

اپنے دادا اور باپ کے طریق کار کی مذمت کی اور حکومت سے بے تعلق ہو گیا۔ رحمہ اللہ

حضرت عمر رحمہ اللہ بن عبد العزیز

امیر عادل و صالح جن کا دور حکومت خلافت راشدہ ہی کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے اور جن کے پاکیزہ کردار اور عادلانہ سیاست کی سب اپنوں اور بیگانوں نے تعریف کی ہے ان کو بجا طور پر ''نجیب بنی امیہ'' [1] کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد منہاج نبوت کے مطابق اگر کوئی حکمراں ہوا ہے تو عمر بن عبد العزیز ہی ہیں۔ ابن سعد میں ہے:

''مَا زَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ يَرُدُّ الْمَظَالِمَ مِنْ لَدُنْ مُعَاوِيَةَ اِلٰى اَنِ اسْتَخْلَفَ اَخْرَجَ مِنْ اَيْدِيْ وَرَثَةِ مُعَاوِيَةَ وَيَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ حُقُوْقًا''

''عمر بن عبد العزیز معاویہ کے زمانے سے لے کر اپنے وقتِ تقرر تک کے مظالم کی تلافی کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے بہت سے حقوق معاویہ اور یزید کے وارثوں سے نکال کر (اصل مالکوں) کو دے دیے''۔

مؤرخین کی شہادت ہے کہ موصوف نے خدا کی زمین کو جو ظلم سے بھری ہوئی تھی، عدل سے بھر دیا، ان کا زمانۂ حکومت عدل و شفقت، علم و حکمت، دین و دیانت کے احیاء کا زمانہ تھا۔ وہ اس سے پہلے نہایت تنعم و تجمل کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر حکومت پاتے ہی زہد و فقر اختیار کر لیا۔ خوفِ خدا، احترامِ شریعت، ولائے اہل بیت اور شفقت علی الخلق کے لحاظ سے اپنے خاندان میں ان کی ذات ریگ زار میں نخلستان کا حکم رکھتی تھی۔ انھوں نے باغ فدک کو جو مروان کی جاگیر میں شامل تھا۔ اس کے وارثوں سے لے کر سادات کو واپس کر دیا۔ ایک مرتبہ ان کے روبرو کسی نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے اس کو امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کیا جس پر عمر بن عبد العزیز نے اس کو بیس کوڑے لگوائے۔ ذمی [2] لوگ جو مسلمان ہو جاتے

---

[1] یہ لقب حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کا دیا ہوا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

[2] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔

تھے، بنی امیہ ان سے بھی جزیہ وصول کرتے تھے۔موصوف نے اتنا ہی احکام جاری کیے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دین حق کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جابی (صرف ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر)

افسوس کہ صرف ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد یہ فرشتہ سیرت حکمران رہگرائے خلد ہوا۔کہا[1] جاتا ہے کہ خاندان والوں نے ایک غلام کے ذریعے زہر دلوادیا۔

اس کے بعد ہم مختصر طور پر بقیہ نام نہاد ''خلفاء'' (اُمَرَاءُ وَ مُلُوْكٌ بَلْ شَرُّ الْمُلُوْكِ كَمَا قَالَ سَيِّدُنَا سَفِيْنَةُ رضی اللہ عنہ مَوْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ) کے خاص خاص کارناموں کا ذکر کریں گے۔ان میں سب سے پہلے یزید کا نام آتا ہے۔

یزید

یہ ننگ اسلام 60ھ میں تخت نشین ہوا اور آغاز 64ھ میں ہلاک ہوگیا۔اس تین برس کی حکومت میں اس نے ایسے تین جرائم کا ارتکاب کیا جن کو یاد کر کے ملت اسلامیہ اس پر قیامت تک نفریں کرتی رہے گی۔پہلے سال[2] میں خاندان رسول ﷺ کی بربادی ایک سال بعد رسول ﷺ کے شہر کی تباہی اور آخری سال میں خدا کے گھر پر حملہ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کے بارے میں اکابر مؤرخین اہل سنت کے اقوال نقل کردیے جائیں۔

طبری

اس مستند مؤرخ نے یزید اور یزیدیوں کے مظالم ذکر کرنے کے بعد اس شقی کا بعد شہادت امام عالی مقام کے دندان مبارک سے بے ادبی کرنا اور صحابی رسول ﷺ حضرت

[1] تاریخ الخلفاء.

[2] فخری۔ تهذیب التهذیب.

ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا اس کو ٹوکنا بیان کیا ہے۔ نیز وفد مدینہ کا یزید کے دربار سے آ کر یزید کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے۔

"اِنَّا قَدِمْنَا مِنْ عِنْدِ رَجُلٍ لَيْسَ لَهٗ دِيْنٌ يَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيَعْزِفُ بِالطَّنَابِيْرِ وَيَضْرِبُ وَعِنْدَهُ الْقِيَانُ وَيَلْعَبُ بِالْكِلَابِ وَيَسَامُ الْخَرَابَ وَالْفِتْيَانَ نَرْجِعُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَنَخْلَعُ هٰذَا الْفَاسِقَ" ❶

"ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جو دین سے بے بہرہ ہے، شراب پیتا اور طنبورے بجاتا ہے اور اس کے غلام بھی بجاتے ہیں۔ وہ کتوں سے کھیلتا ہے اور نوجوانوں سے قصے کہانیاں کہتا ہے۔ ہم مدینے واپس جا کر اس فاسق کو ضرور معزول کر دیں گے"۔

اکثر مؤرخین اس روایت میں متفق ہیں۔ یہ عینی شہادت ایک دو کی نہیں ایک جماعت کی ہے اور جماعت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جن کے بعد کے عمل نے اس قول کی تائید کر دی۔ کیا یہ جائز ہوگا کہ ایک صحابی زادے کے اعمال پر پردہ ڈالنے کی غرض سے اتنے صحابہ کو معاذ اللہ غلط گو بلکہ غلط کار ٹھہرایا جائے اور اپنے آپ کو فَرَّ مِنَ ❷ اَلْمَطَرِ قَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ کا مصداق بنایا جائے۔

اس کے علاوہ طبری نے لکھا ہے کہ یزید نے خاکش بدہن امام برحق علی مرتضیٰ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو دین سے خارج بتایا۔ اس ملعون کے الفاظ سیدتنا زینب سے یہ ہیں۔ اِنَّمَا ❸ اَخْرَجَ مِنَ الدِّيْنَ اَبُوْكَ وَاَخُوْكَ۔ اور یہ عباسی بھی جانتے ہوں گے کہ یہ دونوں بزرگ مشہود امم بالجنۃ میں یقینی طور پر شامل ہیں۔

اب یا تو یہ کہیے کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین عظام کی روایات جھوٹی ہیں۔ یا

---

❶ طبری۔

❷ مینہ سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

❸ تیرے باپ اور بھائی دین سے خارج ہو گئے تھے۔ (نعوذ اللہ)

خاکش بدہن رسول صادق ومصدوق (روحی فداہ) کا ارشاد غلط ہے یا پھر یزید ہی کاذب ہے۔ یقین ہے کہ مسلمان خصوصاً سنی کو تیسری شق ماننے کے سوا چارہ نہ ہوگا، مگر ٹھہریے کذب ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ کاذب کا ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ اَوِ الْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ"

"جب کوئی شخص کسی کو فاسق یا دین سے خارج ٹھہرائے اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ فسق یا کفر کہنے والے پر لوٹ آتا ہے"۔

اب عباسی کا فرض ہے کہ یزید کو پہلے مومن ثابت کریں "امیر المؤمنین" بعد میں بنائیں۔

ابن اثیر

ان کی مشہور اور متداول تاریخ (کامل) میں واقعات کربلا اور بعدہ واقعہ حرہ کی پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ نیز یزید کا شراب پینا اور انتہائے جسارت سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شراب پیش کرنا اس میں موجود ہے۔ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مدینہ طیبہ میں بھی مے خواری [1] نہ چھوڑی۔ ایک روز وہاں مجلس میں دور چل رہا تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ ملنے کے لیے تشریف لائے۔ یاران جلسہ کی رائے ہوئی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ شراب کی بو (رائحۃ الشراب) پہچان لیں گے اس لیے اس کو چھپا دیا جائے۔ ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ کے روبرو شراب پیش کی، مگر آپ نے انکار فرمایا، تب یزید نے

---

[1] حتی کا بیان ہے کہ یزید امویوں میں پہلا شراب خوار فرمانروا ہوا ہے۔ جسے یزید خمار و مے گسار کا لقب دیا گیا۔ اس کا ایک مذاق یہ بھی تھا کہ ایک پالتو بندر "ابوقیس" کو سدھا لیا تھا کہ وہ بھی ان مے نوشی کے جلسوں میں شراب پیے۔ کہا جاتا ہے کہ یزید روزانہ شراب پیتا تھا۔ ولید ایک دن بیچ کر کے۔ ہشام، جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد اور عبدالملک مہینے میں ایک بار، مگر اس کثرت سے کہ پھر قے کرنا پڑتی تھی، مگر ولید ثانی کی بلانوشی کا یہ حال تھا کہ شراب کے حوض میں تیرتا اور پیتے پیتے اس کی سطح کو خاصا نیچا کر دیتا تھا۔

(ترجمہ تاریخ حتی)

کچھ رندانہ اشعار پڑھے جن میں اپنی پری جمال لونڈیوں، اپنی شہوت پرستی، شراب اور عیاشی کا ذکر اور حضرت کے ان لذات سے اجتناب کا اشارہ تھا۔ عباسی نے بھی یہ روایت نقل کر کے شراب کو شربت ثابت کرنے کی سعی غیر مشکور کی ہے۔ یہ درست ہے کہ اغانی میں لفظ شراب ہی آیا ہے، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ علامہ ذہبی نے صاف مسکر [1] کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو عبارت حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی اوپر درج ہوئی ہے اس میں تو صراحت کے ساتھ یشرب الخمر [2] آیا ہے جس کے بعد تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس کو سکیر وخمیر (چھٹا ہوا رند اور پکا شرابی) کہتے تھے۔ منذر بن زبیر کا بیان ہے کہ اِنَّہٗ یَسْکُرُ حَتّٰی یَدَعُ الصَّلٰوۃَ۔ [3] ابن اثیر نے حضرت ابن عباس کا ایک خط بھی یزید کے نام نقل کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ''تو نے خدا، رسول اور اہل بیت (جن کی تطہیر قرآن سے ثابت ہے) کی عداوت میں حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے''۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ ابن عباس یزید سے حسن ظن رکھتے تھے۔ سفید جھوٹ ہے۔ حتی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قاتلین امام کے فعل پر ملامت کی جب کہ کسی عراقی نے ان سے دریافت کیا کہ احرام کی حالت میں مکھی کا مار ڈالنا کیسا ہے؟ حضرت ابن عمر نے جواب دیا تم مجھ سے مکھی کے خون کے متعلق پوچھتے ہو حالانکہ تم نے فرزند نبی (ابن نبی) کو قتل کر دیا۔ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے دنیا کے پھول ہیں۔ یہ لوگ صغیرہ کے بارے میں تو دریافت کرتے ہیں لیکن کبیرہ پر اس قدر دلیر ہیں۔ (بخاری و ترمذی)

ابن خلدون

ابن خلدون کی بعض مخصوص زاویوں کو چھوڑ کر (مثلاً تصویب ولی عہدی) ان کی مشہور

---

[1] نشہ کی چیز۔

[2] وہ خمر (بادہ) پیتا ہے۔

[3] وہ ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ نشے میں نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔

تاریخ میں بھی واقعات بیشتر اسی نہج سے بیان ہوئے ہیں۔ جیسے دوسری کتب تواریخ میں۔ چنانچہ جہاد روم میں یزید کا اپنے باپ کے حکم کو سستی سے ٹال جانا اور اس موقع پر دو شعر پڑھنا انھوں نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن کثیر

اس مؤرخ کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ ابن کثیر کے یہاں شامی ماحول کے اثر سے جہاں بنی امیہ کی فرضی تعریفیں جن میں وہ منفرد ہیں جا بجا ملتی ہیں۔ وہاں ان کے معائب و مثالب بھی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے یزید کے جرائم کی عجیب کم زور توجیہ کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں وارد ہے (اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور بخشے جائیں گے) پھر فرماتے ہیں:

"وَعِنْدِیْ اَنَّ هٰذَا الْحَدِیْثَ هُوَ الَّذِیْ حَمَلَ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَةَ عَلٰی طَرَفٍ مِّنَ الْاِرْجَاءِ وَمُرَکَّبٌ بِسَبَبِهٖ اَفْعَالٌ کَثِیْرَةٌ اِنْکَدَّتْ عَلَیْهِ"

(البدایہ والنہایۃ)

"میرے نزدیک اسی حدیث نے یزید کو ایک قسم کے ارجاء[1] کے عقیدے پر مائل کیا جس کے باعث وہ بہت سے ناپسندیدہ افعال کا مرتکب ہوا"۔

یاد پڑتا ہے کہ علامہ شبلی نے بھی کہیں لکھا[2] ہے کہ بنی امیہ اپنے ظلم و جور کی آڑ کے لیے تقدیر کے مسئلے کی پناہ لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا ہے۔

"کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِهَا الْبَاطِلُ"[3]

اسی طرح مؤرخ مذکور نے یزید کی زبانی ایک فرضی روایت نقل کی ہے جو حدیث نبوی

---

[1] یہ اعتقاد کہ اسلام لانے کے بعد جو گناہ چاہو کرو کوئی مضائقہ نہیں ارجاء کہلاتا ہے جو یہ اعتقاد رکھے اس کو مُرجی کہتے ہیں۔

[2] مقامات شبلی (ذھبی)۔

[3] یہ کلمہ تو حق ہے، مگر مراد باطل ہے۔

یقیناً نہیں ہے۔ وہ یہ کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ مجھے دوزخ سے آزاد کر دو۔ کیونکہ جو امت پر تین دن حکومت کرے اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ یہ ہم خرما ہم ثواب کی ایک ہی رہی۔ بیٹے نے مانگا باپ نے دے دیا۔ شاید اسی وجہ سے اموی وعباسی سلاطین اپنے آپ کو مواخذۂ آخرت سے محفوظ سمجھتے تھے۔ تاہم عباسی کے برخلاف ابن کثیر یزید کی تعریف کے ساتھ مذمت بھی کرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی فصاحت وشجاعت وغیرہ کا وصف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"كَانَ فِيهِ اَيْضًا اِقْبَالٌ عَلَى الشَّهْوَاتِ وَتَرَكَ بَعْضَ الصَّلٰوةِ فِي بَعْدِ الْاَوْقَاتِ وَاَمَاتَتِهَا فِيْ غَالِبِ الْاَوْقَاتِ"

"نیز اس کو شہوت کی جانب میلان تھا اور بعض اوقات کوئی نماز ترک کر دیتا بلکہ اکثر اوقات ناوقت کر کے نماز پڑھتا تھا"۔

اسی طرح موصوف نے یزید کے گانے بجانے، شراب پینے، کتے پالنے اور بندر وغیرہ لڑانے کو بھی صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

قتل امام علیہ السلام کی نسبت ان کا بیان ہے کہ یزید نے نہ حکم دیا نہ رنج کیا۔ دوسری جگہ رقم طراز ہیں کہ اول خوش ہوا بعد میں نادم ہوا۔ غرض ان کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ فاسق تھا لیکن وہ اس کا زندیق (بے دین) ہونا نہیں مانتے۔ ان کے شاگرد رشید اس کو تابعی بلکہ زاہد اور ولی تک ماننے کو تیار ہیں۔ نبی کا درجہ ضرور رہ گیا۔ سچ پوچھیے تو تابعی کا اطلاق ہر اس شخص پر جس نے صحابی کو دیکھا ہو بڑی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ جب کہ قرآن مجید نے اتبعوھم کے ساتھ باحسان کی قید لگا دی ہے۔ ورنہ زیاد، ابن زیاد اور حجاج جیسے اشرارِ امت بھی تابعین میں محسوب ہوں گے۔ رہا یزید کا زاہد ہونا یہ بھی قاضی ابوبکر کی ہرزہ سرائی ہے۔ ورنہ یزید کی زندگی ایک ایک قدم پر زہد کی تکذیب کرتی ہے۔ انسان جھوٹ بھی بولے تو ایسا کہ نبھ جائے۔ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی درویش سے کہا آپ بڑے زاہد ہیں۔ انھوں نے جواب دیا بڑے زاہد آپ ہیں میں کہاں۔ میں نے تو دنیا کی عارضی لذتوں کو چھوڑا ہے اور

آپ نے آخرت کی دائمی نعمتوں پر لات ماری ہے۔ اس قسم کا زہد ضرور یزید میں تھا۔ اب یزید کی ولایت [1] کا سوال رہا تو اس کی نسبت اس کے سوا کیا عرض کی جائے کہ ولی را ولی می شناسد۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو رسول ﷺ کے خاندان سے عداوت کرے اور حرمین شریفین کی بے حرمتی کرے، اس کا اسلام بھی مشتبہ ہے۔

ابن عماد حنبلی

اپنی کتاب شذرات الذھب میں واقعۂ کربلا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قَاتَلَ اللّٰهُ فَاعِلَ فِیْ ذٰلِكَ وَ اَخْزَاهُ وَمَنْ اَمَرَ بِهٖ وارضیه"

''اللہ ایسے کام کرنے والے کو اور جو اس کا حکم دے یا راضی ہو، ہلاک اور خوار کرے''۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشاہیر اہل سنت کا فیصلہ بھی یزید کے بارے میں سنا دیا جائے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

اس امام جلیل کی پوزیشن یزید کے متعلق بالکل واضح ہے۔ صالح (فرزند امام احمد) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے کہا کہ کچھ لوگ ہم سے ولائے یزید کو منسوب کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ بھلا کوئی شخص جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو، یزید کو دوست رکھ سکتا ہے؟ پھر فرمایا کیوں نہ اس پر لعن کیا جائے جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾

(محمد: 22-23)

''تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر دین سے پھر جاؤ تو ملک میں فساد کرنے اور

[1] یزید کے ولی عہد ہونے میں تو شبہ نہیں ہاں ولی ہونا امر دیگر ہے۔

رشتوں ناتوں کو توڑنے بھی لگو۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کو بہرا اور اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے"۔

محقق سعد الدین تفتازانی

"وَاتَّفَقُوْا عَلٰی جَوَازِ اللَّعْنِ عَلٰی مَنْ قَتَلَهٗ اَوْ اَمَرَ بِهٖ اَوْ اَجَازَهٗ وَرَضِیَ بِهٖ وَالْحَقُّ اَنَّ رِضَا یَزِیْدَ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ رضی اللہ عنہ وَاسْتِبْشَارَهٗ بِذٰلِكَ وَاِهَانَةُ اَهْلِ بَیْتِ النَّبِیِّ مِمَّا تَوَاتَرَ مَعْنَاهُ وَاِنْ كَانَ تَفَاصِیْلُهٗ آحَادًا فَنَحْنُ لَا نَتَوَقَّفُ فِیْ شَانِهٖ بَلْ فِیْ اِیْمَانِهٖ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اَنْصَارِهٖ وَاَعْوَانِهٖ"

"علماء اس شخص کی لعنت پر متفق ہیں جس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا یا اجازت دی اور راضی ہوا اور حق یہ ہے کہ یزید کا قتلِ حسین علیہ السلام پر راضی ہونا اور خوشی کرنا اور نبی کے اہل بیت کی اہانت کرنا معنیً تواتر سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیلات روایات آحاد سے آئی ہیں۔ پس ہم اس کی حالت بلکہ اس کے ایمان کے بارے میں مطلق توقف نہیں کرتے۔ اس پر اور اس کے مددگاروں پر خدا کی لعنت ہو"۔

ابو شکور سالمی

"وَكَانَ یَزِیْدُ بِخِلَافِ هٰذَا لِاَنَّهٗ رُوِیَ اَنَّهٗ شَرِبَ الْخَمْرَ وَاَمَرَ بِالْمَلَاهِیْ وَالْغِنَاءِ وَمَنَعَ الْحَقَّ اَهْلَهٗ وَفَسِقَ فِیْ دِیْنِهٖ"

"یزید اپنے باپ کے خلاف تھا۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ وہ شراب پیتا اور لہو و لعب اور گانے کا حکم دیتا اور حق والوں کی حق تلفی کرتا اور دین میں فسق کرتا تھا"۔

قاضی شہاب الدین

"تَوَاتَرَ عَنْ یَزِیْدَ مِنْ اِیْذَاءِ النَّبِیِّ فِیْ اَهْلِ بَیْتِهٖ مَا یُوْجِبُ اللَّعْنَ فَرَحِمَهُ اللّٰهُ مَنْ جَوَّزَ لَعْنَهٗ قَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ

اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُھِیْنًا"

"نبی کو اہل بیت کے معاملے میں ایذا دینے کے سلسلے میں یزید سے ایسے امور جو موجب لعن ہیں، بتواتر ثابت ہیں۔ پس خدا اس شخص کا بھلا کرے جو یزید پر لعنت روا رکھے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں خدا نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار ہے"۔

شیخ ابوالفرج ابن جوزی

شیخ موصوف نے ایک مستقل کتاب جوازِ لعن یزید میں لکھی ہے۔ جس کا نام اَلرَّدُّ عَلَی الْمُتَعَصِّبِ الْعَنِیْدِ الْمَانِعِ عَنْ ذَمِّ یَزِیْدَ ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کیا آپ یزید پر لعنت جائز سمجھتے ہیں؟ میں نے کہا:

"قَدْ اَجَازَھَا الْعُلَمَاءُ الْوَرِعُوْنَ مِنْھُمْ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَاِنَّہٗ ذَکَرَ فِیْ حَقِّ یَزِیْدَ مَا یَزِیْدُ عَلَی اللَّعْنَۃِ"

"پرہیز گار علماء نے جن میں ایک امام احمد بن حنبل ہیں، اس کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے تو یزید کے حق میں لعنت سے بڑھ کر کہا ہے"۔

علامہ ابن حج

"لَا عَجَبَ اَنْ یُفْتٰی بِکُفْرِہٖ"

"کچھ عجب نہیں کہ اس کے کفر کا فتویٰ دیا جائے"۔

حافظ سمعانی

"فَاِنِّیْ لَا اَشُکُّ فِیْ کُفْرِہٖ"

"میں اس کے کفر میں شک نہیں کرتا (پھر) اس کے چند کفریہ اشعار نقل کیے ہیں"۔

حافظ سمہودی

"اِنَّـهٗ يَـجُـوْزُ عِـنْـدَ جَـمْـهُـوْرِ الْـعُـلَـمَاءِ اللَّعْنُ عَلٰى مَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنَ عليه السلام اَوْ اَمَرَ بِقَتْلِهٖ اَوْ اَجَازَا وَرَضِيَ بِهٖ بَلْ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ الْجَيْشِ وَلَمْ يُقَاتِلْ لِوُصُوْلِ اِيْذَاءِ اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ..... فَلَا شَكَّ اَنَّ قَتْلَةَ الْحُسَيْنِ مَلْعُوْنُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ وَرَسُوْلِهٖ"

"جمہور علماء کے نزدیک اس شخص پر لعنت جائز ہے جس نے امام حسین کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا یا اجازت دی یا اس پر راضی ہوا۔ بلکہ اس پر بھی جس نے یزید کی فوج کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اگرچہ جنگ نہ کی ہو، کیونکہ اس سے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی۔ پس اس میں شک نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے والے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ملعون ہیں"۔

علامہ ذہبی

"كَانَ (يزيد) نَاصِبِيًا فَظًّا غَلِيْظًا يَتَنَاوَلُ الْمُسْكِرَ وَيَفْعَلُ الْمُنْكَرَ"

"یزید دشمن علی اور سخت بدخو تھا۔ وہ نشہ اور گناہوں کا مرتکب ہوتا تھا"۔

علامہ سیوطی

"لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهٗ وَابْنَ زِيَادٍ مَعَهٗ وَيَزِيْدَ اَيْضًا"

"اللہ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اور اس کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی لعنت کرے"۔ [1]

طوالت کے خوف سے ہم دوسرے اکابر مثلاً شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت مجدد

---

[1] بعض علمائے اہل سنت اس پر لعنت کرنے میں توقف کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک لعن شخصی جائز نہیں ہے۔ یا ان کو یزید کا قتل امام علیہ السلام میں حصہ لینا ثابت نہیں ہوا لیکن کسی مستند سنی عالم نے قتل کی شناعت اور قاتل کی ملعونیت میں تامل نہیں کیا۔ رہے وہ جو معاذ اللہ امام علیہ السلام کو خطار کار ٹھہراتے ہیں اور یزید کو جائز خلیفہ مانتے ہیں، وہ ناصبی ہیں۔ ان کو اہل سنت میں شمار کرنا سراسر غلطی ہے۔ لا اعتداد بھم.

الف ثانی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی وغیرھم کے اقوال دربارۂ مذمت یزید سے قطع نظر کرتے ہیں اور اس کی مختصر حکومت کے شرم ناک ''کارناموں'' پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

ذہبی یزید کے متعلق لکھتے ہیں:

''اِفْتَتَحَ دَوْلَتَهٗ بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ وَخَتَمَهَا بِوَقْعَةِ الْحَرَّةِ فَمَقَتَهُ النَّاسُ وَلَمْ يُبَارَكْ فِيْ عُمْرِهٖ''

''یعنی اس نے اپنی حکومت کا آغاز قتلِ حسین علیہ السلام سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ سے، اس کی ان حرکات پر لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور خدا نے اس کی عمر میں برکت نہ دی''۔

(1)..... واقعۂ کربلا و شہادت امام علیہ السلام پر ہم دور دہشت کے ضمن میں لکھ آئے ہیں لیکن اس کی نامسعود زندگی کے مزید دو واقعے واقعۂ حرہ اور محاصرہ مکہ جن کی طرف پچھلے اوراق میں محض اشارہ کیا گیا تھا، زیادہ وضاحت چاہتے ہیں۔ وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عباسی نے واقعہ حرہ کو صرف دو دو ورقوں میں سمیٹ لیا اور محاصرہ مکہ کا ذکر ہی اڑا گئے ہیں۔ شاید ان کا خیال یہ ہوگا کہ ان دونوں واقعوں پر پردہ ہی پڑا رہے تو اچھا ہے تاکہ ان کے ممدوح کے چہرے کی بدنمائی عالم آشکار نہ ہو۔

فخری میں ہے کہ یزید سے چند سال میں تین عمل شنیع سرزد ہوئے۔ 61ھ میں قتل حسین علیہ السلام، 63ھ میں مدینہ منورہ کی تباہی اور 64ھ میں مکہ معظّمہ پر حملہ۔ آخر الذکر دونوں واقعوں کا حال عباسی کے معتمد علیہ ابن کثیر کی زبانی سنیے، دوسرے تمام مؤرخین نے بھی تقریباً یہی تفصیلات بیان کی ہیں۔

(ب) واقعہ حرۃ یا جنگ حرہ

حرہ سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں۔ نیز مدینۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ بناء یہ ہوئی کہ جب یزید کی بداعمالیوں کی شہرت عام ہوئی تو مدینہ طیبہ (کہ دارالہجرۃ مرقد نبوی ہے) کے باشندوں خصوصاً صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ امر شاق گزرا کہ ایسا شخص امت کا امیر

رہے۔ اتفاق سے مدینہ کا نیا والی عثمان بن محمد بن ابی سفیان ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ وہ معاملہ کی نزاکت کو نہ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ یزید کے جود وسخا سے مطمئن ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس نے اشراف مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس روانہ کیا جن میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن حنظلہ انصاری۔ منذر بن زبیر اور دوسرے حضرات شامل تھے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو یزید نے ان سب کی بہت تعظیم وتکریم کی اور کثیر مال وزر عطا کیا لیکن ان باتوں کے باوجود اس کی سیہ کاریاں نہ چھپ سکیں اور انھوں نے طے کر لیا کہ ہم مدینہ پہنچ کر اس فاسق کی بیعت کا جُوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں گے۔ ان کے الفاظ یہ تھے:

"قَدِمْنَا مِنْ عِنْدِ رَجُلٍ لَيْسَ لَهُ دِيْنٌ، يَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتَعْزِفُ عِنْدَهُ الْقِيْنَاتُ بِالْمَعَازِفِ وَاِنَّا نُشْهِدُكُمْ اِنَّا قَدْ خَلَعْنَاهُ"

"ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جس کا کوئی دین نہیں، جو شراب پیتا ہے اور جس کے سامنے کنیزیں باجے بجاتی ہیں۔ ہم تمھیں گواہ کرتے ہیں کہ ہم نے اس کی اطاعت ترک کی"۔

منذر نے بھی ان کی تصدیق کی اور کہا: "اِنَّهُ يَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيَسْكُرُ حَتّٰى يَتْرُكُ الصَّلٰوةَ" یعنی وہ شراب پی کر مست ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز ترک کر دیتا ہے۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ نے کہا کہ واللہ! ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ہم کو یہ خوف ہوا کہ اگر خروج نہ کیا تو ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔ یہ شخص (یزید) محرمات سے نکاح کرتا، شراب پیتا اور نماز ترک کر دیتا ہے۔

غرض سب اہل مدینہ [1] نے یزید کو خلع کیا اور جناب عبد اللہ سے موت پر بیعت کی۔

---

[1] خلع اتارنے اور برطرف کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لوگ اپنے عمامے اتار کر پھینکتے اور کہتے تھے کہ ہم نے یزید کو اس طرح اتار دیا جیسے اس عمامے کو۔ کوئی جوتا اتار کر نیچے ڈالتا اور کہتا میں نے یزید کو اس طرح اتار دیا جیسے اس جوتے کو۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں عماموں اور جوتوں کا ڈھیر ہو گیا۔ معدودے چند بزرگ جو اس تحریک سے الگ رہے، ان میں حضرت زین العابدین علیہ السلام بھی تھے۔ بعض خوش فہموں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ یزید سے راضی تھے۔ حالانکہ واقعۂ کربلا کے بعد حضرت کی نسبت ایسا ⇦⇦

یہ فرض کر لینا کہ صحابہ رسول ﷺ اور انصار معاذ اللہ جھوٹ پر متفق ہو گئے اور نفسانیت سے یزید کی مخالفت کی۔ قیاس میں نہیں آتا اور یہ کہنا بھی لغو ہے کہ یہ تمام روایات شیعوں اور سبائیوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ سچ پوچھیے تو شامیوں اور ناصبیوں کو جس قدر وضع روایات کے مواقع تھے، دوسروں کو ہرگز حاصل نہ تھے کہ حکومت کی تلوار ان کی مدد پر تھی اور درہم و دینار کی جھنکار ان کو ابھار رہی تھی۔

جب اہل مدینہ پر کوئی فہمائش کارگر نہ ہوئی تو یزید نے ان کے مقابلے کے لیے ایک فوج کثیر روانہ کی جس کا کمانڈر یک چشم مسلم بن عقبہ تھا۔ یہ بدبخت تاریخ میں مسرف (حد سے گزر جانے والا) کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ تاریخ کامل میں اس طرح ہے کہ اول یزید نے عمرو بن سعید کو فوج دے کر بھیجنا چاہا۔ انھوں نے اہل مدینہ کی خونریزی سے انکار کیا۔ پھر ابن زیاد کو طلب کیا گیا، مگر اس نے جواب دیا کہ میں اس فاسق کے لیے ان دونوں چیزوں (قتل فرزند نبی اور بربادی حرم [1]) جمع نہیں کر سکتا۔ تب مسرف مذکور کو اس خدمت پر مامور کیا۔ کیونکہ امیر معاویہ کی وصیت تھی کہ اگر مدینہ کی مہم درپیش ہو تو مسلم سے کام لینا۔ یہ شخص (مسلم) دین سے کوئی سروکار نہ رکھتا تھا اور اس وقت ضعیف اور بیمار تھا۔ غرض پندرہ ہزار فوج جس میں ہر سپاہی کو مال کثیر بخشا گیا۔ مسلم (مسرف) کی کمان میں مدینے پہنچی اور مدینہ کے مشرق میں حرہ کے مقام پر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ اس وقت انصار کے امیر [2] حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ اور قریش کے امیر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مطیع تھے۔ حکومت کی فوج، کثیر اور باقاعدہ مسلح تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مدینہ کو شکست ہوئی اور ان کے سردار جنگ

⇦⇦ گمان کرنا سراسر لغو ہے۔ دراصل آپ دیکھ چکے تھے کہ کربلا کے موقعے پر کتنے لوگوں نے آپ کے پدر بزرگوار کی نصرت کی تھی، انھی وجوہ سے بالکل کنارہ کش رہے۔

[1] ابن زیاد نے دراصل محاصرہ مکہ سے انکار کیا تھا۔

[2] یہ دونوں بزرگ صحابہ رسول ﷺ میں سے تھے ان میں اول الذکر وہ تھے جن کے والد حضرت حنظلہ صحابی رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کہلاتے تھے۔ کیونکہ جب وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ عبد اللہ بن حنظلہ کے متعلق طبری نے لکھا ہے کہ "کان شریفا فاضلاً سیدا عابدا".

میں کام آئے۔ اس کے بعد مسرف نے مدینہ رسول ﷺ میں جو مظالم ڈھائے ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یزید نے تین روز تک بلد رسول کی تاخت و تاراج کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ شہر لوٹا گیا، بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل کیے گئے عوام کا کیا شمار۔ مسجد نبوی کی بے حرمتی اور کئی سو کنواری لڑکیوں کی عصمت دری واقع ہوئی۔ [1]

ابن کثیر کو یزید کی حمایت کا بڑا خیال رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ عباسی نے ان کی تاریخ البدایة والنهایة پر زیادہ تر اپنے بیانات کا دارومدار رکھا ہے لیکن یہاں ابن کثیر سے بھی نہ رہا گیا۔ کہتے ہیں:

"ثُمَّ اَبَاحَ (مُسْرِفٌ) قَبَحَهُ اللّٰهُ مِنْ شَيْخٍ سُوْءَ مَا اَجْهَلَهُ الْمَدِيْنَةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ كَمَا اَمَرَهُ يَزِيْدُ لَا جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا"

"پھر مسرف نے تین دن تک مدینہ میں لوٹ مار کی اجازت دی، (خدا اس بدکار بوڑھے کا برا کرے وہ کیسا جاہل تھا) اور یہ یزید کے حکم سے ہوا خدا اس کو جزائے خیر نہ دے"۔

اس کے بعد مؤرخ مذکور لکھتے ہیں:

"وَقَدْ اَخْطَأَ يَزِيْدُ خَطَاءً فَاحِشًا فِيْ قَوْلِهٖ لِمُسْلِمِ بْنِ عَقَبَه"

"یعنی بے شک یزید نے بڑی سخت خطا کی جو مسلم کو مدینے کی اباحت کا حکم دیا"۔

لیکن اتنا پھر بھی کہہ گئے کہ اس کی مے خواری اور بدکاری وغیرہ کے باوجود اس کو زندیق نہیں کہہ سکتے۔ بَلْ قَدْ كَانَ فَاسِقًا۔ (ہاں وہ فاسق ضرور تھا) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان اتنا مضبوط تھا کہ ان کافرادائیوں کے باوجود شکست نہ ہوا۔ مسلم بن عقبہ (مسرف) کہا

---

[1] ابن کثیر نے حسب ذیل تعداد بتائی ہے۔ مقتول مہاجرین و انصار 700 عوام 10000 (دس ہزار) عصمت دری کے واقعات 1000 (ایک ہزار)۔ یہ تھا یزید کا مدینۃ النبی سے "انس" جس کا عباسی نے ڈھنڈورا پیٹا ہے۔ دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ تین روز تک مسجد نبوی میں نماز و اذان تک نہ ہوئی۔ تنہا سعید رضی اللہ عنہ بن مسیب رضی اللہ عنہ دیوانہ بنے وہاں پڑے رہتے تھے اور جب مزار اقدس سے اذان و تکبیر کی آواز آتی تھی تو نماز پڑھ لیتے تھے۔

کرتا تھا کہ کلمۂ شہادت کے بعد جو عمل مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، وہ قتل اہل مدینہ ہے، حد ہو گئی کہ اس خبیث اور اس کے ساتھیوں نے اس دارالقدس اور مرکز امارت کو جسے رسول ﷺ طیب و طاہر نے طیبہ کے نام سے یاد فرمایا تھا۔ خبیثہ [1] کہہ کر یاد کیا۔ خاکش بہ دہن آج ہم گناہ گار مسلمان اس قسم کے بیانات تاریخوں میں پڑھتے ہیں تو کانپ جاتے ہیں۔ تعجب ہے ان نامسلمانوں پر جو عہد سعادت سے اتنے قریب ہونے پر شقاوت کے اس درجے پر پہنچ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مصلحتاً مسلمان بنے رہے۔ ورنہ ان کو رسول اللہ ﷺ اور ان کی لائی ہوئی شریعت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

ایک مسلم بن عقبہ پر کیا موقوف ہے، امویوں کے اکثر عمال دین سے واجبی لگاؤ رکھتے تھے۔ اس قتل و غارت، بے حرمتی اور عصمت دری کے ہولناک جرائم پر ہی ان اشقیاء نے بس نہ کی، بلکہ اسلام کی مساوات اور عرب کی حریت کو کچلنے کے لیے وہ حرکات کیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو شرافت سے ہمیشہ کا بیر تھا یعنی مسلم نے تمام اصحاب نبی ﷺ اور دوسرے شرفائے شہر کو بلا کر ان سے اس شرط پر بیعت لی کہ ہم یزید کے موروثی [2] غلام ہیں۔ وہ ہماری جان و مال اور اہل و عیال کا مالک ہے۔ چاہے رکھے چاہے بیچے۔ بعض صاحبوں نے کہا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول پر بیعت کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں بیعت کا یہی طریقہ رائج تھا، مگر یہ یزیدیوں کے لیے دکھتی رگ تھی۔ چنانچہ اس پر ان حق پرستوں کی گردن مار دی گئی۔ جلیل القدر اصحاب مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بمشکل چھپ کر جان بچائی۔ ابن کثیر کو بھی اس تباہی کا دکھ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یزید کے منصوبوں کو آخر خدا نے خاک میں ملا دیا۔

"فَقَصَمَهُ اللّٰهُ قَاصِمِ الْجَبَابِرَةِ وَاَخَذَهٗ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُقْتَدِرٍ"

---

[1] یہ واضح رہے کہ سرکار مدینہ نے مدینہ کا سابق نام یثرب پکارنے کی اس لیے ممانعت فرما دی تھی کہ اس میں یک گونہ ذم کا پہلو نکلتا تھا۔ عباسی نے یزید کا مدینہ اور اہل مدینہ سے انس نقل کیا ہے، اگر اسی کا نام انس ہے تو نہ معلوم بغض کے لیے کون سا لغت وضع کیا جائے۔

[2] بعض روایتوں میں قِن (خانہ زاد غلام) اور بعض میں خَوْل (غلام) کا لفظ آیا ہے۔

بھاگ کھڑی ہوئی۔ ❶

غرض یہ سیاہ کارنامے تھے جو نام نہاد ''امیر المؤمنین'' یزید کے نام پر کلنک کا ٹیکہ بنے ہوئے ہیں۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ.

یزید شاہیوں کی زبان سے کبھی کبھی یزید کی روایت حدیث یا امامت نماز یا امارت حج کا راگ الاپا جاتا ہے لیکن اس سے یزید کے لیے کوئی مدح نہیں نکلتی جب امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عمران بن حطان خارجی، مروان بن الحکم ناصبی اور دیگر اہل بدعت و ہوا سے حدیث لی ہے تو یزید سے بھی سہی۔ اس کے علاوہ اگر اس کی حکومت کے دباؤ سے ایسا کیا گیا ہو تو تعجب نہیں۔ باایں ہمہ محتاط ❷ حضرات اس سے روایت کرنا پسند نہیں کرتے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں لَيْسَ بِاَهْلِ اَنْ يُرْوٰى عَنْهُ۔ یزید اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں اِنَّهُ مَقْدُوْحٌ فِيْ عَدَالَتِهٖ وَلَيْسَ بِاَهْلِ اَنْ يُرْوٰى عَنْهُ۔ اس کی عدالت پر اعتراض کیا گیا ہے اور وہ اس لائق نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ امام احمد کا ارشاد ہے لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُرْوٰى عَنْهُ اس سے روایت کرنا جائز نہیں (میزان) امامت نماز بھی یزید کے لیے وجہ شرف نہیں۔ جب امامت کبریٰ (نام نہاد خلافت) پر وہ قابض ہو گیا اور بہت سے اکابر نے اس کو برا جانتے ہوئے بھی فتنہ و فساد کے خوف یا مجبوری سے برداشت کیا تو امامت صغریٰ (نماز کی امامت) تو اس سے کم تر ہے۔ دراصل جن اصحاب نے مجبوری کی بنا پر سکوت کیا وہ معذور ہیں۔ علاوہ ازیں اہل سنت کے یہاں اس حدیث پر عمل ہے جس میں حکم ہے کہ ہر نیک ❸ و بد کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ یہی وجہ تھی

---

❶ ابن اثیر.

❷ چنانچہ ابن سیرین فرماتے ہیں ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم یعنی حدیث دین ہے لہٰذا اس کو دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس قسم کے لوگوں سے اخذ کرتے ہو۔ تھذیب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں لیست له روایة تعتمد (یزید کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں) عباسی نے تحریف معنوی سے کام لے کر یحییٰ بن عبد الملک کا یزید کو ''احد الثقات'' کہنا نقل کیا ہے۔ حالانکہ ابن حجر نے یہ الفاظ یزید کے لیے نہیں بلکہ یحییٰ کے لیے استعمال کیے ہیں۔

❸ صلّوا خلف کل بر و فاجر.

کہ یزید، ابن زیاد اور حجاج جیسے بداعمال اشخاص کے پیچھے بزرگان دین نماز پڑھ لیتے تھے اور اس کا اعادہ نہ فرماتے تھے۔ امارت حج کا بھی یہی حال ہے جب یزید کو ولی عہدی کے ذریعے سے "امیر" بنادیا گی تو امارت حج جو اس کی فرع ہے کون سا امتیاز ہے جس پر کلاہ فخر کج کی جائے۔

ان لوگوں کو بڑا ناز اس پر ہے کہ اس کے ہیرو نے جہاد قسطنطنیہ [1] میں حصہ لیا تھا اور سند میں وہ بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

"اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَر مَغْفُوْرٌ لَهُمْ"

"پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا بخشا جائے گا"۔

امیر معاویہ نے 50ھ میں ایک فوج سفیان بن عوف کی کمان میں قسطنطنیہ بھیجی اور ان کے حکم سے دوسرے صحابہ کے ساتھ یزید نے بھی جہاد میں شرکت کی۔ اس کا جواب کئی طرح دیا جاسکتا ہے۔

(1)..... یہ روایت ہی مجروح و مقدوح ہے کیونکہ اس کے متعدد راویوں پر علمائے رجال نے کلام کیا ہے۔ سلسلۂ اسنادیوں ہے:

"حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ یَزِیْدَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ الدِّمِشْقِیُّ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ حَمْزَةَ بْنِ وَاقِدِ الدمشقی حدثنا ثَوْرُ بْنُ یَزِیْدَ الْحُمَصِیُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ الْحُمَصِیِّ عَنْ عُمَیْرِ بْنِ الْاَسْوَدِ الْعَنْسِیِّ الْحُمَصِیِّ"

"اس روایت میں شروع سے آخر تک شام (دمشق وحمص) کے راویوں کا جمع ہونا کھٹکا اور کتب رجال دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ آخر شبہ صحیح نکلا اور معلوم ہوا کہ تقریباً تمام رواۃ مجروح ہیں"۔

اس میں اول اسحٰق کا نام آتا ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ضعیف ہیں۔

تہذیب میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

---

[1] ان اللہ لیویّد ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ بے شک خدا بدبخت آدمی کے ذریعے سے (بھی) اس دین کی تائید کرتا ہے۔

"قال ابن ابی حاتم کتب عنه ابی وسمعت ابا زرعة یقول ادرکناه و لم نکتب عنه"

"ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے میرے باپ نے حدیث لکھی اور میں نے ابوزرعہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے ان کا زمانہ پایا، مگر ان سے حدیث نہیں لکھی"۔

دوسرے یحییٰ ہیں۔ ان کے متعلق تہذیب میں لکھا ہے:

"کان یرمیٰ بالقدر۔ روی عن ابن معین انه کان قدریاً"

"ان پر قدری ہونے کا الزام ہے اور ابن معین سے روایت ہے کہ یہ قدری تھے"۔

تیسرے نمبر پر ثور کا نام ہے۔ ان کے اوصاف بھی سن لیجئے۔ تہذیب میں ہے:

"یقال انه کان قدریا وکان جده قتل یوم صفین مع معاویة وکان ثوراً اذا ذکر علیا قال لا احب رجلا قتل جدی۔ نفاه اهل الحمص لکونه قدریاً"

"کہا جاتا ہے کہ یہ قدری مذہب شخص تھا۔ اس کا دادا صفین میں معاویہ کی ہمراہی میں قتل ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا تو کہتا کہ میں ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا ہو۔ اس کو قدری مذہب ہونے کی وجہ سے اہل حمص نے شہر بدر کر دیا تھا"۔

میزان الاعتدال میں اس طرح ہے:

"قال احمد بن حنبل کان ثوریری القدر وکان اهل حمص نفوه و اخرجوه"

"امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ثور قدری عقیدے کا تھا اور حمص کے لوگوں نے اسے شہر بدر کر دیا اور نکال دیا تھا"۔

ظاہر ہے کہ قدری اور ناصبی ہونے کی بناء پر اس کی روایت کا کیا اعتبار۔ خصوصاً ایک

دوسرے ناصبی کی مدح میں اکیلا یہی روای مجروح ہوتا تو بھی روایت کا مقدوح ہونا ظاہر تھا۔ یہاں تو دوسرے راوی بھی مشتبہ ہیں۔

رہے خالد بن معدان ان کی نسبت تقریب میں صراحت ہے کہ یرسل کثیراً یعنی وہ روایت کرنے میں ارسال [1] سے بکثرت کام لیتے تھے۔

ان راویوں نے اپنی طرف سے یا حکومت کے اشارے سے ایسی روایات تمام بلاد اسلام میں پھیلا دیں جن سے سلاطین و امراء کی خوشنودی [2] حاصل ہو۔

(2) برتقدیر صحیح حدیث میں جہاد کرنے والے پہلے لشکر کی فضیلت آئی ہے، حالانکہ جس لشکر میں یزید شامل تھا، وہ پہلا نہ تھا۔ یزید 50ھ میں شریک ہوا اور اس سے بہت پیشتر 42ھ میں ایک مہم مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے خلاف روانہ کی جا چکی تھی اور سالہائے مابعد میں بھی برابر مہمیں روانہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ابن خلدون اور ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

(3) بعض شارحین [3] حدیث فرماتے ہیں:

"لَا يَلْزِمُ مِنْ دُخُوْلِهٖ فِي ذٰلِكَ الْعُمُوْمِ اَنْ لَا يَخْرُجَ بِدَلِيْلٍ خَاصٍ اِذْ لَا يَخْتَلِفُ اَهْلُ الْعِلْمِ اَنَّ قَوْلَهٗ ﷺ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ مَشْرُوْطٌ بِاَنْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْمَغْفِرَةِ حَتّٰى لَوْارْتَدَّ وَاحِدٌ مَنْ غَزَاهَا بَعْدَ ذَالِكَ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ ذَالِكَ وَالْعُمُوْمِ اِتِّفَاقًا ندل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط"

"یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی خاص دلیل سے خارج نہ ہو۔ کیونکہ اس بارے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول خدا کا فرمانا کہ وہ بخشے جائیں گے اس امر سے مشروط ہے کہ وہ مغفرت

---

[1] ارسال یہ ہے کہ تابعی روایت کرنے میں صحابی کا نام چھوڑ دے۔

[2] وضع حدیث کے کارخانے کے متعلق علامہ شبلی کا بیان آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

[3] ابن التین وابن المنیر.

کے اہل بھی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر بعد کو جہاد کرنے والوں میں سے کوئی مرتد ہو گیا تو وہ بالاتفاق اس عموم میں داخل نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مغفور سے مراد ان میں سے وہ ہے جس میں مغفرت کی شرط پائی جائے"۔

(4) یزید نے بادل ناخواستہ شرکت کی اور ایسا عمل جو رضا سے نہ ہو عرفاً قابل اعتنا نہیں۔ بعض مؤرخین نے روایت کی ہے کہ سفیان بن عوف رئیس لشکر تھے اور یزید کا ذکر نہیں کیا۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے یزید کو شرکت جہاد کا حکم دیا، مگر اس نے سستی کی اور بہانہ کر کے رہ گیا۔ ادھر لشکر میں بخار اور چیچک کی وبا پھیلی۔ جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے خوب بغلیں [1] بجائیں اور یہ اشعار پڑھے:

مَا اَنْ اُبَالِی بِمَا لَاقَتْ جُمُوْعُهُمْ
بِالْفَدْفَدِ الْبَيْدِ مِنْ حُمّٰى وَمِنْ شَوْمٍ
اِذَا اِتَّطَأْتُ عَلَى الْاَنْمَاطِ مُرْتَفِقًا
بِدَيْرِ مَرَّانَ وَعِنْدِیْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ

مجھے اس کی [2] پروا نہیں کہ ان فوجوں پر دشت و بیاباں میں بخار اور وبا کی مصیبتیں آئیں۔ جب کہ میں دیر مران میں مسند پر چین سے بیٹھا ہوں اور ام کلثوم میرے پاس ہے"۔ جب باپ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے کہا: بخدا اب میں اس کو بھیج کر رہوں گا۔ چنانچہ یزید کو جہاد میں جانا پڑا۔ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ وَلٰكِنَّهٗ غَزَاهَا مُكْرِهًا (لیکن اس نے بادل ناخواستہ یا مجبوراً شرکت کی) حدیث میں غزائے بحر اور جہاد روم کی ضرور فضیلت آئی ہے، مگر یزید جیسا لاابالی اور عیش پسند شخص ان دونوں کو ناپسند کرتا تھا۔ جیسا کہ "خلیفہ" ہونے پر جو پہلا خطبہ اس نے دیا ہے، اس سے ظاہر ہے۔ (ابن کثیر)

(5) کسی زمانے میں یزید کو اس کا مصداق نہیں سمجھا گیا۔ ورنہ امیر معاویہ یا یزید کبھی

---

[1] مجاہدین اسلام کے نقصان پر شماتت کرنا یزید ہی جیسے "مومن" کا حوصلہ تھا۔

[2] ابن خلدون نے بھی یہ اشعار نقل کیے ہیں۔

تو ولی عہدی یا خلافت کے ثبوت میں اس کو اپنے حریفوں کے سامنے پیش کرتے۔ پھر کیا امام احمد امام حدیث وفقہ، علامہ ابن جوزی اور دوسرے علماء جو لعن یزید کے قائل ہیں، سب کے سب اس فضیلت سے بے خبر تھے۔ یہ تھا یزید کی فضیلت کا وہ قلعہ جس کی بنیاد ہی شروع سے کمزور تھی۔ اِجْتُثَّتْ [1] مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ یزید کے ان قبائح اعمال اور علمائے سلف کے اس کے متعلق اقوال کے ہوتے ہوئے اس کی تعریف کے گیت گانا ابطال حق، احقاق باطل، خرق اجماع اور شق عصا کی بدترین مثال ہے۔ اس کے بعد ضرورت تو نہ تھی کہ مغربی اہل قلم کی رائیں پیش کی جائیں تاہم اس خیال سے کہ بعض طبائع اس قسم کے بیانات کی جویا ہوتی ہیں، ہم صرف دو تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔

گبن

اپنی مشہور تاریخ میں یزید کو (A Feeble Dissolute Youth) (ایک کمزور عیاش نوجوان) کے الفاظ سے یاد کرتا اور کہتا ہے:

"The Tyrant of Damascus Whose Vices Hussain Despised."

وہ دمشق کا سرکش بادشاہ جس کے فسق کو امام حسین رضی اللہ عنہ نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے"۔

اس نے امام کی بہادرانہ جنگ اور دشمنوں کی بیدردانہ یلغار کا تذکرہ کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ بُعدِ زمان ومکان کے باوجود یہ دل خراش سانحہ بڑے سے بڑے سرد مہر قاری کے جذبۂ ہمدردی کو بیدار کر کے رہتا ہے۔ *(Decline And Fall Of The Roman Empire)*

میور

"Yazid died in his hunting castle at 40 years of age after a reign of 3.1/2 years. In natural disposition, he much resembles chrless II of England. He is described a dissipated monarch, but, though the parton of learning and himself no mean poet he is only remembered for his sacriligious attack upon the holy cities and the family of Mohammad."

---

[1] اس کو زمین پر سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ اس کو ثبات تو ہے نہیں۔

''ساڑھے تین سال حکومت کر کے یزید چالیس سال کی عمر میں اپنے شکاری قلعہ میں مر گیا۔ طبیعت میں وہ بہت کچھ چارلس دوم شاہ انگلستان سے ملتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک عیاش حکمران تھا۔ اگرچہ وہ علم دوست اور خود خاصہ شاعر تھا لیکن وہ صرف حرمین کی بے حرمتی اور آل محمد ﷺ کی بربادی کی وجہ سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے''۔

(The Caliphatents Rise, Decline And Fall)

براؤن

"Born of a Badouin mother, bred in the free air of desert, an eager and skilful hunts man, a graceful poet, a gallant lover, fond of wine, music and sports and little concerned with religion, we might, for all his godlessness levity and extravagance, have suffered his handsome face, his pretty verses, his kingly qualities and his joyous appreciation of life to tamrer with our judgment, had it not been for the black stain which the tragedy of karbala has left on his memory"

ایک بدوی ماں کے بطن سے پیدا ہوا اور ریگستان کی آزاد ہوا میں پلا بڑھا وہ ایک شوقین ہوشیار شکاری، عمدہ شاعر، منچلا عاشق، شراب ونغمہ سازی کا رسیا اور مذہب سے بے پروا شخص تھا۔ اس کی بے دینی، لاابالی پن اور اسراف کے باوجود ہم اس کے خوبصورت چہرے دل کش اشعار، شاہانہ خصائل اور خوش باشی کی بنا پر اپنے فیصلے کو متاثر ہونے دیتے بشرطیکہ اس کے دامن پر مظالم کربلا کا سیاہ داغ نہ ہوتا''۔ *(Lit. History of Persia V.I)*

حتّی

مسیحی مصنفین نے ایسے نام نہاد مسلمان افراد کو ہمیشہ سراہا ہے جن کو اپنے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ پایا اور جن کی زندگی میں اسلامی اقدار سے بغاوت کا شائبہ نظر آیا ہے۔ حتّی بھی اس

سے مستثنیٰ نہیں۔ تاہم وہ یزید کے بارے میں یہ لکھے بغیر نہ رہ سکا کہ یزید کی ماں میسون اصل میں یعقوبی فرقے کی مسیحیہ تھی۔ وہ اپنے لڑکے کو اکثر بادیہ یعنی صحرائے شام میں لے جاتی تھی۔ یہیں نوجوان ولی عہد نے گھوڑے دوڑانے، شکار کھیلنے، شعر کہنے، شراب پینے کی عادتیں سیکھیں۔ ❶

مروان بن الحکم

اب یزید کے بعد ہم بنی امیہ کی دوسری شاخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا فرماں روا مروان بن الحکم تھا۔ اس شاخ کی سلطنت اور ان سلاطین کی مفصل حالت کا بیان ہمیں مطلوب نہیں۔ صرف اجمالی طور پر یہ دکھانا ہے کہ آیا اموی ملوکیت بقول عباسی مسلمانوں اور اسلام کے حق میں موجب فوز وفلاح تھی یا باعث عار وفضاح۔ مروان کا تعارف حسب ذیل ہے:

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا۔ اس کا باپ حکم چھپ چھپ کر حضور کے گھر میں جھانکتا تھا۔ چغلی کھاتا اور آپ کی نقلیں کرتا تھا۔ جس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی اور مدینہ سے باہر نکال دیا۔ چنانچہ مروان بھی اس کے ساتھ نکلا اور رویتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہا۔ مروان کی دادی زرقاء ذات الرایہ کہلاتی اور عرب میں بری شہرت کی حامل تھی۔ مروان کی (Qualifications) ملاحظہ ہوں:

(1) اس کی فتنہ پردازی اور جعل سازی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب ہوئی۔ هُوَ اَوَّلُ مَنْ شَقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ یعنی وہ مسلمانوں میں پہلا تفرقہ انداز تھا۔

(2) اس کو علی رضی اللہ عنہ اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی عداوت تھی۔ طبری اور ابن اثیر نے اس قسم کے واقعات نقل کیے ہیں۔ حتی کہ ابن کثیر کو بھی کہنا پڑا۔ لَمْ يَزَلْ مَرْوَانُ عَدُوًّا لِبَنِيْ هَاشِمٍ حَتّٰى مَاتَ یعنی مروان مرتے دم تک بنی ہاشم کا دشمن رہا۔ ہاشمیوں اور امویوں میں مخالفت تو تھی ہی اور مخالفت اور جنگ میں کیا کچھ نہیں ہوتا مگر یہ خبیث اکثر کمینی حرکات پر اتر آتا تھا، چنانچہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضی اور امام حسن کو سب و

❶ تاریخ عرب حِتّی.

شتم کیا کرتا تھا۔ کبھی حضرت علیہ السلام اس کی بدگوئی کی وجہ سے دور بیٹھتے تو خود پاس جا کر مغلظات سناتا تھا۔ ابن سعد میں ہے فَجَعَلَ مَرْوَانُ يُغَلِّظُ لِلْحَسَنِ وَالْحَسَنُ سَاكِتٌ یعنی مروان امام حسن ❶ رضی اللہ عنہ کو گالیاں سنانے لگا اور وہ خاموش بیٹھے رہے۔ جب سیدنا حسن علیہ السلام زہر سے شہید ہو گئے تو یہی روضۂ نبوی میں آپ کے دفن ہونے سے مانع ہوا۔ اس وقت یہ معزول ہو چکا تھا، مگر حکومت وقت کو خوش کرنے کے لیے وہ ہر ذلیل فعل کر سکتا تھا۔

یاد ❷ ہوگا کہ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ والی مدینہ کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے تھے تو اسی مفسد نے ولید کو رائے دی تھی کہ ان کو اسی وقت قتل کر دو ورنہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا، مگر ولید نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور کہا جو حسین کو قتل کرے گا قیامت میں اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔ مجھے تو تمام دنیا مل جائے تو بھی ایسا نہ کروں اور حضرت نے مروان کو جھڑکتے ہوئے فرمایا او زرقاء کے بچے! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ واللہ نہ تو مجھے قتل کر سکتا ہے نہ ولید!

ان کارگزاریوں پر ''حضرت مروان'' کو دربار رسالت اور اہل بیت طہارت کی طرف سے جو سرٹیفکیٹ ملے، وہ سننے کے قابل ہیں۔ رسول ❸ صادق فرماتے ہیں: لَعَنَ اللّٰهُ الْحَكَمَ وَمَا وُلِدَ (اللہ حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت کرے)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ لَيَحْمِلَنَّ رَأْيَةَ ضَلَالَةٍ بَعْدَ مَا يَشِيبُ صَدْغَاهُ وَلَهُ أَمْرُهُ كَلَحَةِ الْكَلْبِ أَنْفُهُ۔ یہ بڑھاپے میں گمراہی کا جھنڈا اٹھائے گا اور اس کی حکومت ایسی ہوگی جیسے کتا اپنی ناک چاٹتا ہے۔ دوسرے موقع پر اس کو دیکھ کر فرمایا وَيْلُكَ وَيْلُ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ مِنْكَ وَمِنْ بَنِيكَ۔ تیرا ناس جائے تیرے اور تیری اولاد کے ہاتھ سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خرابی ہوگی۔

---

❶ امام حسن کا معاذ اللہ قصور یہ تھا کہ خود حکومت سے دست بردار ہو کر بنی امیہ کو بااختیار بنا دیا تھا۔ یہ واضح رہے کہ صلح نامے میں یہ شرط بھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم نہ کی جائے، مگر اس کی ''تعمیل'' یوں ہوئی کہ نو برس تک منبروں پر یہ بدعت سیئہ جاری رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مروان اپنے باپ کی اور اپنی جلاوطنی کو یاد کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے لیتا تھا۔ ورنہ امام سے ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ انکم اهل بيتِ لملعونون یعنی تم اہل بیت ملعون ہو۔ (خاکش بدہن)

❷ ابن اثیر۔ ❸ ابن کثیر وغیرہ۔

امام حسن علیہ السلام بڑے صابر تھے۔ اس پر بھی اتنا فرمایا: لَقَدْ لَعَنَ اللّٰهُ اَبَاكَ الْحَكَمَ وَاَنْتَ فِیْ صُلْبِهٖ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّهٖ۔ خدا نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تیرے باپ حکم کو لعنت کی جب کہ تو اس کی صلب میں تھا۔ امام حسین علیہ السلام کی گفتگو اوپر گزری۔ [1] ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ آپ اس کی حرکت سے سخت ناراض تھیں اور اس سے فرماتی تھیں، میں [2] چاہتی ہوں کہ تیرے پاؤں میں چکی کا پاٹ باندھ کر تجھے سمندر میں چھوڑ دیا جائے۔

(3) مروان نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ ابن سعد میں ہے۔ ففوّق لهٗ بسهم فرماه به فقتله (تیر میں سوفار لگایا اور مارا جس سے وہ ہلاک ہو گئے)

(4) اس نے حضرت ابن زبیر کے خلاف خروج کیا حالانکہ ان کی بیعت مکمل ہو گئی تھی۔ (شذرات الذهب)

(5) اس نے حضرت نعمان بن بشیر صحابی کو قتل کیا۔ (ایضاً) اس کے بعد اس کا پسر عبدالملک اور اس کے چار بیٹے دیگرے سلطنت پر قابض ہوئے۔ ولید، سلیمان، یزید، ہشام۔

عبدالملک

صاحب علم اور عبادت گزار تھا۔ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ حکومت کا مژدہ ملا۔ فوراً قرآن بند کر دیا اور کہا هٰذَا آخِرُ عَهْدِی بِكَ یہ میرا تجھ سے آخری تعلق تھا۔ اسی کا قول ہے:

"وَاللّٰهِ لَا یَاْمُرُنِیْ اَحَدٌ بَعْدَ مَقَامِیْ هٰذَا بِتَقْوَی اللّٰهِ اِلَّا ضَرَبْتُ عُنُقَهٗ"

"بخدا اگر آئندہ کسی نے مجھ سے کہا کہ "خدا سے ڈرو" تو اس کی گردن مار دوں گا"۔

یہ لوگ بڑے مدبر اور سیاست دان تھے، مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ ان کی تدبیر

---

[1] حیرت ہے کہ اس پر ابن کثیر نے مروان کا امام کو سب سے زیادہ محبوب کہنا نقل کیا ہے جو سراسر بے بنیاد ہے۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

[2] ابن سعد.

معصیت اور ان کی سیاست مخالف شریعت ❶ ہوتی تھی۔ اس لیے ان کو خلیفہ رسول ﷺ کہنا بڑا ظلم ہے۔ یہ درحقیقت ملوک تھے اور ان میں سے اکثر اشرار ملوک، یقین نہ ہو تو جس تاریخ کو چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اگر عبد الملک میں کوئی اور برائی نہ ہوتی، صرف یہ ہوتی کہ حجاج جیسا فرعون ھذہ الامۃ اس کی طرف سے گورنر تھا تو بھی عبد الملک کی شناخت میں کوئی شبہ نہ تھا۔ بہر حال اس کے چند کارنامے ملاحظہ ہوں۔

حجاج نے اس کے حکم سے مکہ پر چڑھائی کی۔ ابن زبیر اس سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے اور ان کی لاش کو صلیب پر آویزاں کیا گیا۔ پھر حجاج نے مدینے کی طرف رخ کیا اور اس کے اشارے سے ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں زہر سے بجھے ہوئے نیزے کی نوک چبھو دی جس کے زخم سے ان کی موت واقع ❷ ہوئی۔ اس کے بعد مدینہ والوں کی تذلیل و توہین کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی گردنوں اور ہاتھوں کو داغ کر مہر لگائی۔

کہا جاتا ہے کہ عبد الملک حضرت ام درداء (صحابیہ) کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن انھوں نے احتراماً کہا کہ امیر المؤمنین آپ عابد ہو کر طلاء ❸ پیتے ہیں۔ جواب دیا ہاں اور انسانوں کا خون ہی جو پیتا ہوں۔ مشہور ہے کہ جب یزید نے مدینہ پر فوج کشی کی تھی تو عبد الملک نے اس کی شناعت پر برہمی ظاہر کی تھی۔ بدبختی دیکھئے کہ جب وہ خود

---

❶ عوام ان ملوک و امراء کی انتظامی صلاحیت اور دائرہ فتوحات کی وسعت کو اکثر فخریہ انداز میں پیش کرتے ہیں، مگر ہمارے نزدیک ان امور کے ساتھ اور ان سے مقدم کتاب و سنت کا عمل درآمد ایک خلیفہ کا فرض ہے۔ ورنہ ان سے بڑے منتظم اور فاتح غیر مسلم قوموں میں سے گزرے ہیں۔ ان لوگوں کے زمانے میں ملک کے محاصل (جو ان کی ملکیت بن گئے تھے) میں بے شک بڑا اضافہ ہوا، مگر ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز کا قول یاد رکھنا چاہیے کہ خدا نے اپنے رسول کو حق کا داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر۔

❷ حضرت ابن عمر کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے مکہ مطہرہ پر چڑھائی کی مذمت کی تھی۔

❸ طلاء، ایک قسم کی شراب۔

صاحب اقتدار ہوا تو اسی فعل کا ارتکاب کیا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے اس کی کثرت عبادت پر تعجب کیا تو حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبادت زیادہ نماز و روزے کا نام نہیں ہے بلکہ خدا کے خوف اور پرہیزگاری کو کہتے ہیں۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جو بخیل تھا اور پہلا شخص جس نے امان دے کر بدعہدی کی اور پہلا شخص جس نے امر بالمعروف سے نہی (ممانعت) کر دی اور خلیفہ کے رو برو لوگوں کو کلام کرنے سے روک دیا۔ اپنی پالیسی کو واضح کرتے ہوئے اس نے منبر پر صاف صاف کہا۔ لوگو! مجھے کمزور خلیفہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) یا نرم خلیفہ (معاویہ) یا ضعیف العقل خلیفہ (یزید) نہ سمجھنا۔ میں تلوار سے تمھاری بیماری کا علاج کر سکتا ہوں۔ دیکھو۔ عمرو بن سعید قرابت اور مرتبے میں کتنا بلند تھا اس نے سرتابی کی اور میری تلوار نے اس کا مداوا کر دیا۔ مرتے وقت اپنی اولاد کو دوسری نصائح کے ساتھ وصیت کی کہ دیکھو حجاج کے خلاف کسی کی بات نہ سننا۔ کیوں کہ اسی نے ہماری حکومت کی بنیاد استوار کی ہے۔

ولید

لاڈ پیار میں پلا اور ادب سے بے نصیب رہا۔ باپ نے تعلیم دینے کی کوشش کی، مگر خَرَجَ وَ هُوَ اَجْهَلُ مِمَّا كَانَ (وہ پہلے سے بھی جاہل نکلا) مؤرخ اس کو جبار و ظالم لکھتے ہیں۔ بقول عمر بن عبدالعزیز اس نے اور اس کے عمال نے روئے زمین کو جور و ظلم سے بھر دیا تھا۔ ایک دن اس نے ابراہیم بن ابی زرعہ سے پوچھا: کیا خلفاء سے بھی حساب ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا کیا خلفاء حضرت داؤد سے بھی افضل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض امور میں تنبیہ فرمائی۔ اس کے عہد میں بھی حجاج کا تسلط بدستور رہا۔

سلیمان

سلیمان اوروں سے نسبتاً بہتر تھا۔ اس کا بڑا کارنامہ حجاج کے مقرر کیے ہوئے عمال کی برطرفی اور عمر بن عبدالعزیز کی ولی عہدی ہے یہ بڑا پرخور تھا۔

یزید

یافعی لکھتے ہیں کہ اس کے مصاحبوں نے عجب حرکت کی کہ

"اَتَوْهُ بِاَرْبَعِيْنَ شَيْخًا شَهِدُوا لَهٗ اَنَّ الْخُلَفَاءَ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ"

"اس کے پاس چالیس بوڑھوں کو لے کر آئے جنھوں نے گواہی دی کہ خلفاء سے نہ حساب ہوگا نہ عذاب"

چلیے چھٹی ہوئی۔

جو گناہ کیجئے ثواب ہے آج
بریں عقل و دانش بباید گریست

کہا جاتا ہے کہ اس نے شروع میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے طریقے پر چلنا چاہا، مگر اس گواہی کے گزرنے کے بعد خاندانی روش اختیار کی اور کہا کہ عمر بن عبد العزیز ایک فریب خوردہ شخص تھا۔ نیز عمال کو حکم دیا کہ پہلے کا دستور جاری کرو، رعیت جئے یا مرے۔

ہشام

خونریزی کو ناپسند کرتا تھا، مگر اس کا گورنر خالد بن عبد اللہ قسری سخت بداعمال اور ظالم تھا۔ ہشام نے حکم دیا تھا کہ جب تک خلیفہ کا غلہ فروخت نہ ہو جائے کسی کو فروخت کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں عام گرانی پھیل گئی اور مخلوق چلا اٹھی۔ عقد الفرید میں ہے کہ جب وہ حج کو روانہ ہوا تو اس کے بدن کے کپڑے چھ سو اونٹوں پر لادے گئے۔ بادشاہوں کے یہاں اس سے بڑھ کر اسراف ہوتا ہے، مگر یہ لوگ تو جانشینی رسول ﷺ کے مدعی اور پیمبر ﷺ کی مسند پر قابض تھے۔

اسی کے عہد میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے خروج کیا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا: خُرُوْجُهٗ يُضَاهِي خُرُوْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ بَدْرٍ۔ یعنی زید کا نکلنا بدر میں رسول خدا ﷺ کے نکلنے سے مشابہ ہے۔

ولید فاسق بن یزید

تاریخ اس (ولید ثانی) کو ولید فاسق کے نام سے جانتی ہے۔ یہ نہایت مے خوار اور بے

دین تھا۔ اس بد بخت نے خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کے لیے حج کا ارادہ کیا۔ آخر لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ شرع کی بے حرمتی۔ شرب خمر اور نکاح امہات الاولاد کا علانیہ ارتکاب کرتا تھا۔ خود اس کے بھائی کی شہادت تھی کہ وہ بڑا شرابی، بے شرم، فاسق اور بدچلن تھا۔ ایک دن اس نے قرآن کھولا۔ اس میں یہ آیت کریمہ نظر پڑی۔ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد رہا) تو قرآن کو نشانہ بنا کر تیر مارنے شروع کر دیے اور یہ کہتا جاتا تھا کہ تو ہر سرکش ہٹ دھرم کو دھمکاتا ہے لے میں سرکش ہٹ درھم سہی اور جب قیامت میں خدا پوچھے کہ تجھے کس نے پارہ پارہ کیا تو کہنا ولید نے کیا۔

یزید ناقص بن ولید

چونکہ اس نے فوج کے وظائف گھٹا دیے تھے، اس لیے ناقص کے لقب سے شہرت پائی۔ یہ قدری مذہب تھا اور لوگوں کو اس عقیدے کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اس کو اپنے نسب پر بڑا غرور تھا۔

ابراہیم بن ولید

اس کو صرف سوا دو مہینے حکومت کا موقع ملا۔ کوئی خاص واقعہ اس کے دور کا قابل ذکر نہیں۔

مروان حمار بن محمد

آدمی جفاکش تھا۔ اس لیے لوگ حمار (گدھا) کہنے لگے۔ عربی تعصب اور غیر عربوں کی تحقیر اس کا شیوہ تھا۔ اس کے عہد میں ہر طرف سے عباسی دعوت کی شورش آندھی بن کر اٹھی اور آخر اموی حکومت کو اڑا کر لے گئی۔

یہ نہایت اجمالی خاکہ تھا اموی خلافت کا۔ جس کے آئینے میں ان ملوک کے خدوخال صاف نظر آتے ہیں۔ سوء اتفاق سے ان کو ولاۃ (عمال) بھی ایسے ملے جن کے مظالم نے مذہب اور شرافت دونوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور تاریخ ملت کو یکسر داغدار کر دیا۔ وقت نہیں کہ

یہاں ان کے اعمال نامے پیش کیے جائیں لیکن محض نام اور مختصر تعارف شاید بے محل نہ ہو۔

بسر بن ارطاۃ

یہ پہلی اموی خلافت کا گورنر اور کمانڈر تھا۔ یہ وہی شخص [1] ہے جس نے تحکیم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقبوضات پر حملے کیے اور یمن پر چڑھائی کی اور عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں کو ماں کے روبرو تہ تیغ کر دیا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بددعا سے پاگل ہو کر مرا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر لعن کیا کرتا تھا۔

زیاد بن ابیہ

یہ ابوسفیان کا ناجائز بیٹا تھا۔ اس لیے لوگ اس کو ابن ابیہ کہہ کر پکارتے تھے۔ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہوا خواہ تھا۔ امیر معاویہ نے ملانا چاہا، مگر اس نے سخت جواب دیا۔ جب حضرت علی شہید ہو گئے تو معاویہ نے اس کو توڑنے کے لیے اپنے نسب میں شامل کر لیا اور زیاد بن ابی سفیان کہہ کر پکارا۔ چونکہ ایسی اولاد کو شامل کرنا خلاف حدیث نبوی تھا۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ اس کے بعد اس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ پہلے سے ان سب سے واقف تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا اور آپ کی شان میں سبّ وشتم کرنے میں بے باک۔ اہل کوفہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوستی کے جرم میں لوٹنا، حبس وقتل کرنا۔ آنکھوں میں سلائی پھیرنا۔ مثلہ کرنا اس کا شیوہ تھا۔ حجر بن عدی اور دوسرے اصحاب کے قتل کا بھی یہی باعث ہوا۔ آخر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بددعا سے طاعون سے مرا۔ جب موصوف کو اس کی ہلاکت کی خبر ملی تو خوش ہوئے اور کہا ابن سمیہ جا، نہ تجھے دنیا ہی ملی نہ آخرت۔

عبید اللہ بن زیاد

زیاد کا بیٹا، شقاوت وقساوت میں الولد سرٌ لابیہ کا مصداق۔ جس نے کوفہ میں بیٹھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں فوجیں بھیجیں اور حضرت کی کسی شرط پر راضی نہ ہوا۔ جب

---

[1] اسد الغابہ۔

بعد شہادت امام رضی اللہ عنہ کا سر مطہر اس کو پیش کیا گیا تو اس نے اپنی چھڑی سے گستاخی کی۔ جس پر حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم صحابی نے اسے ٹوکا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل عرب! تم آج سے غلام ہو گئے۔ تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا اور ابن [1] مرجانہ کو امیر بنایا کہ وہ تمھارے نیکوں کو ہلاک کرتا اور بدوں کو غلام بناتا ہے۔ اس کی خرابی ہے جو ذلت پر راضی ہو جائے۔ آخر میں یہ سنگ دل شخص مختار کے لشکر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کو مختار کے روبرو لایا گیا۔ اس واقعہ کو جامع ترمذی میں ملاحظہ کیجئے۔ عمارہ بن عمیر کہتے ہیں کہ جب عبید اللہ اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد کوفہ میں اوپر تلے رکھ دیے گئے۔ اتنے میں شور ہوا وہ آیا وہ آیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک سانپ آیا اور سروں سے گزرتا ہوا عبید اللہ کے نتھنوں میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد نکلا اور غائب ہو گیا۔ اسی طرح تین بار آیا اور گیا۔ امام ترمذی نے صراحت کی ہے کہ هذا حديث حسن صحيح۔ [2]

عمر بن سعد

یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کا بیٹا تھا۔ اول یہ نہ چاہتا تھا کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کا مظلمہ اپنے سر لے، مگر ابن زیاد کی ترغیب اور حکومت رے کے لالچ سے آمادہ ہو گیا۔ پھر بھی اس نے مصالحت کی کوشش کی اور جنگ کو ٹالتا رہا۔ آخر شمر لعین نے ابن زیاد کو ورغلایا کہ ابن سعد جنگ میں قصداً سستی کر رہا ہے۔ اس کے تہدیدی احکام آنے پر جنگ شروع کر دی گئی اور پانی بند کر دیا گیا۔ عاشورا کے روز پہلا تیر اسی نے چلایا اور کہا کہ سب گواہ رہو حسین رضی اللہ عنہ پر پہلا تیر چلانے والا میں ہوں۔ [3]

---

[1] سمیہ زیاد کی اور مرجانہ ابن زیاد کی ماں تھی۔

[2] ممکن ہے کہ مؤرخوں کے بعد عباسی محدثین (مسلم، ترمذی، نسائی وغیرھم) کو بھی شیعی یا سبائی کہہ کر ٹال دیں، مگر اہل علم کے سامنے یہ دعوے تار عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

[3] محدث العجلی نے اتنا ہی کہا وَهُوَ الَّذِیْ قَتَلَ الْحُسَیْنَ (ابن سعد وہی ہے جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا) مگر ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ ابن معین نے فرمایا كَيْفَ يَكُوْنُ مَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنِ ثِقَةً (جس نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا وہ کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟) (تہذیب)

مسلم بن عقبہ اور حسین بن نمیر کا حال

مدینہ و مکہ پر فوج کشی کے سلسلے میں گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ آئے ہیں۔

حجاج بن یوسف

قبیلہ ثقیف کا مبیر (ہلاکو) جو خونخواری اور خونریزی میں ضرب المثل ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر دنیا کے خبیث جمع کیے جائیں تو ہمارا خبیث حجاج خباثت میں سب پر بازی لے جائے گا۔

وزیرے چنین شہر یارے چناں

جب ایسے ولاۃ اور ایسے ملوک دنیا پر مسلط ہوں تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ملت پر کیا گزری ہوگی۔ ہر طرف ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ بغاوت اور شبہ تو بڑی چیز ہے۔ نکتہ چینی یا حریف کی تعریف یا اس کے لعن سے گریز موت کے مترادف تھا۔ یہ درست ہے کہ لوگوں کو بڑے بڑے عطایا اور جوائز بھی ملتے تھے، مگر سیاسی اغراض سے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے۔ ورنہ عام رعایا عموماً محروم ہی رہتی تھی۔ ان ملوک نے دو مسئلوں پر زیادہ زور دے رکھا تھا۔ ایک تقدیر، دوسرے بیت مال المسلمین کو بیت مال اللہ قرار دینا۔ پہلی بات سے مقصد یہ تھا کہ لوگ اموی سیاست کو خدا کی طرف سے سمجھ کر قبول کریں اور حکام کو بے قصور سمجھیں۔ دوسری غرض یہ تھی کہ خزانہ میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے، وہ خدا کا ہے، خدا نے ہمیں اختیار دیا ہے جسے چاہیں دیں، جیسے چاہیں نہ دیں۔ اس سلسلے میں اگر مزید شہادت درکار ہو تو حضرت مولانا گیلانی [1] کی زبانی سنیئے!

الغرض امرائے بنی امیہ اور ان کے سنگدل و سیاہ سینہ ولاۃ کی بدتمیزیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایسا دہشت ناک مہیب منظر دنیائے اسلام میں قائم کر دیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔

جگہ پر دم بخود تھا۔ منکرات ❶ دیکھتے جا رہے تھے لیکن ہاتھ سے روکنے کی جرأت کسی کو کیا ہوتی۔ بڑے بڑوں کی زبانیں تک خاموش تھیں۔ یزید، ابن زیاد اور حجاج جیسے رسوائے زمانہ ہی نہیں بلکہ جوان میں نیکی اور حلم اور بردباری میں شہرت رکھتے تھے، ان کے درباروں میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ممتاز صحابیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے'' (اس کے بعد حضرت ❷ جابر رضی اللہ عنہ کا عبد الملک کے دربار میں اہل مدینہ کی سفارش کے لیے آنا اور عبد الملک کا ناراض ہونا بیان کیا ہے، دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

''علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کے دین کے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے۔ خود خلیفہ اس فکر میں ہے کہ خواہ رعایا پر کچھ ہی گزر جائے لیکن اس کا مال اچھے داموں بک کر روپے کی شکل میں اس کے پاس پہنچ جائے۔ عام مسلمانوں کے گھروں میں فاقہ ہے اور مسلمانوں کے امیر کا نوکر ایک بچے کے ختنے میں وہ اولوالعزمیاں دکھا رہا ہے کہ شاید بادشاہوں کے لڑکے کے ختنے میں بھی اتنی زرمستیاں نہ دکھائی جاتی ہوں، مگر ساری دنیا چپ ہے۔ بنی امیہ کی بے پناہ تلوار نے خون کی جوندیاں بہائی تھیں اور ظلم کے آتش کدے جوڑ رکھے تھے۔ ان کو دیکھ دیکھ کر بھلا کس کا جگر یا کلیجہ اور گردہ تھا کہ آہ نیم شبی کے سوا کچھ اور بھی کرنے کے لیے تیار ہو۔ مسلسل دیکھتا جا رہا تھا کہ زبان سے بات نکلی اور سر تن سے جدا ہوا۔

ہمیں یقین ہے کہ ان حقائق کو دیکھتے ہوئے اموی حکومت کو ''موجب فوز و فلاح'' صرف وہی کہہ سکتا ہے جس کو انصاف و دیانت کا کوئی حصہ نہ ملا ہو۔

---

❶ مسلم میں ہے کہ جو شخص کسی گناہ کو دیکھے تو ہاتھ سے بدل دے۔ یہ نہ ہو سکے تو زبان سے، ورنہ دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے نیچا درجہ ہے۔

❷ حضرت جابر رضی اللہ عنہ انصاری آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود مدینہ سے شام تک کی مسافت طے کر کے سفارش کرنے تشریف لائے۔ کاش وہ دیکھتے کہ ان کے ناز اٹھانے والے مدنی آقا تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اب ان کی مسند ان نااہلوں کے ہاتھ آئی ہے۔

قول فیصل

طیبین کی روش

جیسا کہ ہم نے آغاز میں کہا تھا۔ عباسی کے یہاں دو مرکزی خیال ملتے ہیں اور انھی پر ان کی بحث کا دارومدار ہے۔ یعنی

(1) معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ناتمام اور ناکام رہی۔ آپ نے حکومت کے لالچ یا سادگی سے اپنے آپ کو سبائی پارٹی کا آلہ کار بنا رکھا تھا۔ انھی لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور انھی کی فتنہ پردازی سے آپ کا دور خلافت ناکامیاب ثابت ہوا اور آپ معزول کیے گئے۔ آپ کے برخلاف معاویہ کی خلافت مکمل ہوئی اور ان کا عہد ہر طرح کامیاب رہا۔

(2) یزید صالح انسان اور لائق حکمران تھا۔ تمام ارباب حل وعقد نے اس کی بیعت کر لی تھی اور وہ جائز طور پر خلیفہ منتخب ہو گیا تھا۔ ان حالات میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کے خلاف اقدام کرنا بغاوت ومعصیت میں داخل تھا۔

ان ہفوات کا رد گزشتہ اوراق میں نظر آتا ہے، مگر ہمارے خیال میں بحث کے بعض گوشے مزید وضاحت چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت، اصحاب جمل وصفین اور خوارج کی مخالفت اور حضرت علیہ السلام کی شہادت، نیز امام حسن علیہ السلام اور امیر معاویہ کے مابین شرائط صلح اور ان کی خلاف ورزی۔ پھر یزید کی ولی عہدی کی من مانی کاروائی اور کربلا کا الم ناک سانحہ اجمالاً سپرد قلم ہوا۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ کیا روایۃً و درایۃً یہ جھوٹے الزامات جو جناب مرتضیٰ علیہ السلام اور شہید کربلا کے اعلیٰ کردار پر لگائے گئے ہیں، حقانیت کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس سلسلے میں پہلے قرآن حکیم سے استدلال کرتے۔ کیونکہ متعدد

آیات خصوصاً آپ کی مدح میں آئی ہیں۔ حتی کہ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تین سو آیات علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ نیز یہ کہ کسی صحابی کے حق میں اتنی آیتیں نہیں اتریں جتنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اور عمومی آیات کا تو شمار بھی دشوار ہے۔ جن کے بارے میں طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلَّا وَعَلِيٌّ اَمِيْرُهَا وَشَرِيْفُهَا وَلَقَدْ عَاتَبَ اللّٰهُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فِيْ غَيْرِ مَكَانٍ وَمَا ذَكَرَ عَلِيًا اِلَّا بِخَيْرٍ۔ یعنی جہاں کہیں قرآن میں یاایھا الذین آمنوا ہے، علی رضی اللہ عنہ اس کے امیر و سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کئی موقعوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عتاب فرمایا، مگر علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہمیشہ تعریف [1] کے ساتھ کیا لیکن شانِ نزول کی روایات پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو کر بحث کا سر رشتہ الجھ جاتا۔ اس لیے ہم صرف مستند احادیث خصوصاً صحاح ستہ کی روایات پر اقتصار کریں گے۔

بخاری

"قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ: اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْكَ"

"نبی خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں"۔

"ایضاً۔ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ"

"نیز (جب کئی جلیل القدر صحابہ یہود خیبر کے مقابلے سے ناکام لوٹے تو فرمایا:"

دوسری روایت میں ہے:

"يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"

"کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس سے خدا اور رسول ﷺ محبت کرتے ہیں یا جو خدا اور رسول سے محبت کرتا ہے اور خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے گا"۔

"قَالَ لِعَلِيٍّ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى"

"حضور ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمھارا میرے

---

[1] تاریخ الخلفاء۔

نزدیک وہی مرتبہ ہو جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا''۔

مسلم

مسلم نے بھی حدیث مذکورہ بالا کی روایت کی ہے اور اس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جو اس کے راوی ہیں، کہتے ہیں میرے کانوں نے یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور گر میں غلط کہتا ہوں تو میرے کان بہرے ہو جائیں۔ مسلم میں یہ بھی ہے کہ امیر معاویہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سبّ کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین خصلتیں ایسی بیان فرمائی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے میسر ہوتی تو میرے لیے دنیا کی دولت سے بڑھ کر ہوتی۔ ایسی حالت میں میں ان کو برا کیونکر کہہ سکتا ہوں۔ وہ تین یہ ہیں۔ حدیث منزلت جو اوپر بیان ہوئی، حدیث عطائے رایت روز خیبر اور آیت مباہلہ میں شرکت (کہ جب نصاریٰ کے مقابلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی بیبیوں کو بلائیں اور تم اپنی بیبیوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم خدا کے حضور میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جناب علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زہراء اور جناب حسنین رضی اللہ عنہما کو لے کر باہر نکلے اور عرض کی۔ خدایا یہ میرے گھر والے ہیں) مسلم میں عطائے رایت کے سلسلہ میں یہ اضافہ اور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے مجھے سرداری کی خواہش اس روز کے سوا کبھی نہیں ہوئی اور میں منتظر رہا کہ اس خدمت کے لیے بلایا جاؤں لیکن حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ تفویض فرمایا۔

ترمذی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''لَقَدْ عَهِدَ [1] اِلَیَّ النَّبِیُّ اَنَّهٗ لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ''

[1] اسی بناء پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری نے فرمایا ہے کہ ہم منافقوں کو بغض علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پہچان لیتے تھے۔

''بے شک نبی ﷺ نے مجھے یہ قول دیا ہے کہ تم سے مومن کے سوا کوئی محبت نہ کرے گا اور منافق کے سوا کوئی دشمنی نہ کرے گا''۔

ترمذی نے خلاف معمول اس حدیث کو ھذا حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

ابن ماجہ

ابن ماجہ نے بھی ترمذی والی مذکورہ حدیث۔ نیز حدیث منزلت، حدیث خیبر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص والے واقعہ کی توثیق کی ہے۔ ان کے سنن میں مناقب ذیل زیادہ ہیں۔

''هٰذَا وَلِيُّ مَنْ اَنَا مَوْلَاهُ۔ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ''

''یہ (علی رضی اللہ عنہ) اس کے ولی ہیں جس کا میں مولیٰ ہوں، خدایا اس سے محبت کر جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے اور اس کو دشمن رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی کرے''۔

نیز:

''اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَبُوْهُمَا خَيْرٌ مِنْهُمَا''

''حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے باپ ان سے افضل ہیں''۔

''عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَلَا يُؤَدِّي مِنِّيْ اِلَّا عَلِيٌّ''

''علی میرے ہیں اور میں علی کا ہوں اور میری طرف سے کوئی (امانت وغیرہ) بجز علی کے ادا نہ کرے گا''۔

''قَالَ عَلِيٌّ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَاَخُوْ رَسُوْلِهٖ وَاَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَذَّابٌ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ''

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد اگر کوئی ایسا کہے گا تو دروغ گو ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز ادا کی ہے''۔

امام نسائی

امام نسائی نے ایک مستقل کتاب (الخصائص) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تصنیف کی ہے جو بالآخران کی شہادت کا سبب ہوئی۔

اعتقادی حیثیت سے قطع نظر اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن نہایت بلند اور آپ کی سیرت بے داغ نظر آئے گی۔

سب سے پہلے حکمت [1] کو لیجئے۔ آپ کا علم وفضل۔ آپ کے فتاویٰ اور قضایا۔ آپ کے کلمات اور خطبات آج بھی فصاحت کا آئینہ اور بلاغت کا گنجینہ ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو براہ راست افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سب جانتے [2] ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم چار بزرگوں پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ لیکن مذکورہ بالا تینوں بزرگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کمالات علمی کا اعتراف فرمایا ہے۔ مثلاً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے علی اقضانا (علی رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں)

آپ اکثر فرماتے تھے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ مُعْضِلَۃٍ لَیْسَ لَھَا اَبُو الْحَسَنِ یعنی میں ایسی مشکل سے پناہ مانگتا ہوں جس کو حل کرنے کے لیے ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) نہ ہوں۔ ایک موقع پر آپ نے کہا لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ (اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا)

---

[1] حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد کیا گیا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔ ترمذی نے یہ حدیث نقل کر کے اس کی غرابت کا اظہار کیا ہے، مگر حال میں مصر کے ایک عالم احمد بن محمد نے ایک کتاب فتح الملک العلی نے اسی مبحث پر لکھی اور دکھایا ہے کہ یہ حدیث مختلف طرق سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی موئد دوسری حدیث اقضاء ھم علی (علی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) صحاح میں وارد ہے۔

[2] یہ حضرت مسروق تابعی کا قول ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

"افرض أهل المدينة وأقضاها علي بن أبي طالب.

''اہل مدینہ میں سب سے زیادہ فرائض کا علم رکھنے والے اور بہتر فیصلہ کرنے والے علی بن ابی طالب ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، کہتے ہیں:

"اِذَا حَدَّثَنَا ثِقَةٌ عَنْ عَلِیٍّ اَلْفُتْیَا لَا نَعْدُوْهَا"

''جب ہمیں کسی معتبر ذریعے سے علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ مل جاتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ (یا دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے)''

دوسرے اہل علم نے بھی حضرت کے علم وفضل کا فراغ دلی سے اقرار کیا ہے۔ مثال کے طور پر

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

جن کے علم سے خود صحابہ نے استفادہ کیا ہے، فرماتی ہیں:

"اَنَّهٗ اَعْلَمُ مَنْ بَقِیَ بِالسُّنَّةِ"

''جو لوگ رہ گئے ہیں، ان میں علی سب سے زیادہ عالم سنت ہیں''۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ مشہور تابعی

"لَمْ یَکُنْ اَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ یَقُوْلُ [1] سَلُوْنِی اِلَّا عَلِیٌّ"

''صحابہ میں سے کوئی علی رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا نہ تھا جو کہتا ہو کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو''۔

---

[1] پورا جملہ یہ تھا سلونی قبل ان تفقدونی۔ مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ، چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسائل پوچھے ہیں، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا ہو ایسی مثال نہیں ملی۔ خوارج کے سردار قطری بن فجاۃ کو فصاحت میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ تم کو خطابت میں رتبہ کیسے ملا۔ جواب ملا میں نے اصلح (مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے پانچ سو خطبے یاد کر لیے ہیں۔ اسی کا یہ اثر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عیاش

"كَانَ لِعَلِيٍّ مَا شِئْتَ مِنْ ضِرْسٍ قَاطِعٍ فِي الْعِلْمِ وَكَانَ لَهُ الْبَسْطَةُ فِي الْعَشِيْرَةِ وَالْقِدَمُ فِي الْإِسْلَامِ وَالصِّهْرُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَالْفِقْهُ فِي السُّنَّةِ وَالنَّجْدَةُ فِي الْحَرْبِ وَالْجُوْدُ فِي الْمَالِ"

"علی رضی اللہ عنہ کو علم میں زبردست پایہ حاصل تھا۔ نیز کنبے والوں کے ساتھ خوش مزاجی۔ اسلام میں سبقت۔ رسول ﷺ سے دامادی کا رشتہ حدیث میں تفقہ۔ جنگ میں شجاعت اور مال میں سخاوت ان کی امتیازی صفت تھی"۔

وقت کی تنگی کی وجہ سے یہاں ہم حضرت کے فیصلوں [1]، فتووں اور خطبوں کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کا دوسرا امتیازی وصف شجاعت ہے۔ بعثت نبوی کا موقع ہو یا جنگ کا میدان، ہجرت کی رات ہو یا معرکے کا دن، جوانی کی عمر ہو یا پیری کا سن، کفار سے جہاد ہو یا (بدرجۂ مجبوری) کلمہ گویوں سے لڑائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈرنا جانتے ہی نہ تھے۔ یاد ہوگا جب حضور ﷺ نے مبعوث ہونے پر اپنے اہل خاندان کو بلایا اور دین کا پیغام سنا کر فرمایا کہ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا تو پوری مجلس میں سناٹا چھا گیا اور کوئی آمادہ نہ ہوا۔ صرف ایک تیرہ برس کا لڑکا کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ میں آپ کا ساتھ دوں [2] گا۔ یہ علی تھے۔ بدر واحد، خندق وخیبر کے حالات پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ مرد جرار کس جرأت کے ساتھ فوج کفار میں گھس جاتا تھا۔ غزوۂ خندق میں عرب کا شہ سوار عمر بن عبدود۔ جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ لڑنے کو نکلا اور پکارا۔ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ (کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرے) اس وقت صرف علی رضی اللہ عنہ کی آواز آتی ہے "میں"، حضور ﷺ نے فرمایا یہ عمرو

---

[1] یہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے کہ تفسیر، حدیث، تفقہ، قضا، تصوف، خطابت اور شعر میں جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اصحاب رسول ﷺ میں امتیازی مقام حاصل تھا۔

[2] سیرۃ النبی جلد اول.

ہے (یعنی تمہارا اس کا جوڑ نہیں) آخر تین بار یہی سوال و جواب ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں جانتا ہوں ''یہ عمرو ہے''۔ اور حضور نے ان کو مقابلے کی اجازت دی۔

آپ نے جا کر عمرو سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر تجھ سے کوئی تین باتوں کا سوال کرے تو تو ایک بات ضرور مان لیتا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر بقول علامہ شبلی یہ گفتگو ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:..... میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو:..... یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:..... لڑائی سے واپس جا۔

عمرو:..... میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سہ سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:..... مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو :..... مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔

جب اس نے نام پوچھا، آپ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، چونکہ اس میں اور ابی طالب میں دوستی کے تعلقات تھے، وہ بولا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے کہا، مگر میں چاہتا ہوں۔ غرض لڑائی ہوئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر میں آپ کی شمشیر خارا شگاف نے اس کا سر کاٹ کا زمین کو بوسہ [1] دیا۔

حرب صفین میں لیلۃ الہریر کے موقع پر جبکہ آپ دونوں ہاتھوں میں تلوار لے کر قلب لشکر میں گھس گئے تھے، قریب کے گاؤں میں آپ کی تکبیر چھ سو مرتبہ سنی گئی اور ہر تکبیر کے ساتھ تلوار سے دو شخص کٹ کر گرتے تھے۔

خود فرماتے ہیں کہ لڑائی میں مجھے پروا نہیں ہوتی کہ موت میری طرف آ رہی ہے یا میں موت کی طرف جا رہا ہوں۔ اکثر دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے حریف کی فوج کے قلب میں

---

[1] سیرت النبی، جلد اوّل۔

گھس گئے اور اسی طرح لوٹ کر آ گئے اور فوج نے کائی کی طرح پھٹ کر رستہ دے دیا۔ ارباب سیر لکھتے ہیں۔ کَانَتْ ضَرَبَاتُ عَلِیٍّ اَبْکَارًا اِذَا اعْتَلا قَدَّ وَاِذَا اِعْتَرَضَ قَطَعَ۔ یعنی علی رضی اللہ عنہ کے وار ایک ہی دفعہ میں حریف کو کاٹ دیتے تھے۔ جب سر پر مارتے تھے تو پوری لمبائی میں اور جب پہلو پر مارتے تھے تو چوڑائی میں حریف کا جسم دو پارہ ہو جاتا تھا۔

سخاوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مال و دولت کا کیا کام۔ آپ نے اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جس فقر و قناعت سے زندگی بسر کی ہے تاریخ اس کی گواہ ہے۔ حتی کہ خلافت کے زمانے میں بھی یہی حال رہا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بیت المال میں مال کثیر آیا۔ آپ نے کھڑے کھڑے سب مستحقین کو بانٹ دیا۔ تاہم جو قلیل مقدار ذاتی مال کی ہوتی آپ اس کو بھی راہ خدا میں خرچ کر دیتے اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے خرچ کرنا ناروا سمجھتے تھے۔ آپ کا تین روز برابر روزہ رکھنا اور مسکین و یتیم و اسیر کو اٹھا کر کھانا دے دینا مشہور ہے۔

زہد و عبادت

ابن اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز کے سامنے زاہدوں کا تذکرہ ہوا۔ انھوں نے فرمایا اَزْھَدُ النَّاسِ فِی الدُّنْیَا عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ یعنی دنیا میں یا دنیا کی طرف سے سب سے زیادہ بے رغبتی کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دنیا کو ایسی طلاق دی ہے جس کے بعد رجوع ممکن نہیں۔ [1]

یہ بھی آپ کا ارشاد ہے۔ یَا صَفْرَاءُ یَا بَیْضَاءُ غَرِّی غَیْرِیْ۔ اے سونے چاندی اوروں کو جا کر فریب دے۔ (میں تیرے فریب میں آنے والا نہیں) علیٰ ہذا آپ کی عبادت

---

[1] جناب معاویہ نے ایک مرتبہ حضرت علی کے رفیق ضرار اسدی رضی اللہ عنہ سے آپ کے اوصاف بیان کرنے کو کہا۔ ضرار نے اول تو معذرت کی۔ جب اصرار ہوا تو حضرت کے عدل، علم، خضوع، انابت، عبادت، خلق کی تصویر اس مؤثر انداز میں کھینچی کہ معاویہ رو پڑے اور بولے۔ خدا ابو الحسن پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ (عقد الفرید)

کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا کہ کَانَ ❶ مَا عَلِمْتَ صَوَّامًا قَوَّامًا ایک روشن حقیقت ہے ان فضائل و مزایا کے ساتھ آپ کا سجدہ بت ❷ سے محفوظ رہنا، سبقت اسلام، خاتون جنت کا شوہر ہونا اور دوسری خصوصیات بھی پیش نظر رکھی جائیں تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ساری زندگی شروع سے آخر تک نہایت تاب ناک اور آپ کا کردار بہت بلند تھا۔ دراصل آپ ان انسانوں میں سے تھے جن کو آسمان بڑی گردشوں کے بعد پیدا کرتا ہے۔ جن کی سیرت انبیائے عظام کے قدم بقدم تھی اور جن کو اسلام دوسری قوموں کے سامنے فخر سے پیش کر سکتا ہے۔ اگر ایسے نفوس قدسیہ ہی کا دامن ہم نے چھوڑ دیا تو ملت کے پاس خسران مبین کے سوا کیا رہ جائے گا۔ یہ کہہ دینا کہ تمام محدثین کبار اور مؤرخین ذی وقار نے سبائیوں کے اثر میں آ کر یہ فضائل گھڑ لیے ہیں۔ آفتاب کی درخشانی کا انکار کرنا ہے۔ اوپر ہم دکھا آئے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ پر بیعت خلافت کے لیے زور ڈالا اور آپ نے انکار فرمایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ لوگ اہل حل وعقد میں شامل نہیں ہیں۔ آخر مہاجرین و انصار کے اصرار پر آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ ❸ آپ نے ایک مراسلہ میں امیر معاویہ کو یہی لکھا کہ مجھ سے ان مہاجرین وانصار نے بیعت کی ہے، جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔ اس بنا پر امیر معاویہ یا ان کے ساتھیوں کا بیعت نہ کرنا قادح خلافت نہیں ہو سکتا بلکہ حدیث بخاری کی رو سے بغاوت ٹھہرے گا اور جیسا کہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے کہا یہ صورت اس وقت تک قائم رہی جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دست برداری نہ فرمائی۔ اس کے بعد جناب معاویہ کی حیثیت ایک بادشاہ کی تھی۔ اگرچہ وہ اور ان کے بعد کے حکمران عرف عام میں خلیفہ کہلاتے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت قبول فرمایا تو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

---

❶ جہاں تک مجھے علم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے۔

❷ کرم اللہ وجہہ کا جملہ اسی شرف کا مظہر ہے۔

❸ ابن اثیر.

"وَاللّٰهِ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَقَدْ زَيَّنْتَ الْخَلَافَةَ وَمَا ذَانَتْكَ وَرَفَعْتَهَا وَمَا رَفَعَتْكَ وَهِيَ كَانَتْ أَحْوَجَ اِلَيْكَ مِنْكَ اِلَيْهَا"۔

(اسد الغابہ : جلد ٤)

"بخدا یا امیر المؤمنین بے شک آپ نے خلافت کو زینت دی۔ خلافت نے آپ کو زینت نہیں دی اور آپ نے اس کو بلند کر دیا اس نے آپ کو بلند نہیں کیا اور اس کو آپ کی زیادہ ضرورت تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ کو اس کی ضرورت ہو"۔

بلاشبہہ عرب شاعر کا ایک شعر یاد آیا جو اس نے حسینوں کی تعریف میں کہا تھا:

مَخْصَرَةُ الْاَوْسَاطِ ذَانَتْ عُقُوْدُهَا
بِاَحْسَنَ مِمَّا زَيَّنَتْهَا عُقُوْدُهَا

اگر بالفرض آپ کو سرے سے خلافت حاصل نہ ہوتی تو بھی آپ کے فضائل و مراتب میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ حضرت انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال سے یہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ ان مقربان الٰہی میں بعض ایسے نفوس گزرے ہیں جن کو دشمنوں کے ہاتھوں سے حبس و قتل کی ایذا اٹھانی پڑی۔ اکثر ایسے حضرات تھے جن کو ظاہری حکومت میسر نہ آئی لیکن کیا کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے یہ تصور کر سکتا ہے کہ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ النَّاسِ ان کے مراتب علماء میں کوئی فرق آ گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل کا انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ عباسی نے بھی دبی زبان سے اقرار کیا ہے البتہ وہ حضرت کی خلافت و سیاست پر منہ آئے ہیں۔ مثلاً

آپ کو سبائیوں نے خلیفہ منتخب کیا۔

آپ نے اپنے آپ کو سبائیوں کے ہاتھ میں دے دیا۔

آپ نے باوجود قدرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے میں تساہل کیا۔

آخر میں سبائیوں کی وجہ سے آپ کی خلافت ناکام ہوئی اور آپ معزول کر دیے گئے۔

لیکن یہ اعتراضات سراسر لغو اور پادر ہوا ہیں۔ سبائیوں کے انتخاب کرنے کے الزام کی حقیقت اوپر گزری۔ سبائیوں کے اختیار میں اپنے آپ کو دے دینے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔ یا تو معاذ اللہ آپ حب دنیا اور ہوس جاہ میں مبتلا یا بصیرت و دانائی سے بیگانہ ہوتے۔ یہ دونوں باتیں آپ کی مقدس زندگی سے میل نہیں رکھتیں اور یہ الزام وہی شخص لگا سکتا ہے جو خود دیانت سے دور یا بصیرت سے مہجور ہو۔ رہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص تو سب کو معلوم ہے کہ وہ بلوے میں شہید ہوئے تھے اور ان کی زوجہ محترمہ بھی جو موقع پر موجود تھیں قاتل کی نشاندہی سے قاصر رہی تھیں۔ تاہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہوتے ہی تحقیقات کیں۔ محمد بن ابی بکر کا نام لیا گیا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے بتایا کہ محمد رحمہ اللہ [1] شریک قتل نہ تھے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ حضرت محض کسی شبہ پر کسی ایک یا چند آدمیوں کو قصاص کے لیے حوالے کر دیتے۔ یہ درست ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے مخالفین (نہ کہ قاتلین) لشکر مرتضوی میں مل گئے تھے لیکن مخالفت اور چیز ہے قتل اور چیز۔ اس کے علاوہ مخالفت میں تو کئی اکابر صحابہ بھی شامل تھے۔ تاہم جنگ جمل کے روز آپ نے مشتبہ اشخاص کو بھی جدا کر دینے کا فیصلہ کر لیا، مگر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے خود آپ کے علم و اجازت کے بغیر شب میں جنگ چھیڑ کر معاملہ کو اور پیچیدہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسی مجبوری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عبید اللہ بن عمر سے قصاص لینے میں یا اہلِ مصر کا مطالبہ (حوالگی مروان) تسلیم کرنے میں پیش آئی تھی۔ اس سے زیادہ مجبوری آپ کے سامنے تھی۔ خلافت کی ناکامی کا الزام بھی مہمل ہے۔ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، نتائج کا نہیں۔ آپ کی معزولی جو کسی طرح صحیح و جائز نہیں کہی جا سکتی جن حالات میں بیان کی جاتی ہے، ان کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ ایسی تحکیم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول اور معاویہ کو منصوب کرے جیسی ہوگی ظاہر ہے۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیاست نہیں جانتے تھے یا اگر اپنے نزدیک ذرا شائستگی سے کام لیتے تو کہتے ہیں کہ آپ پر روحانیت اتنی غالب تھی کہ سیاست کی

[1] خلفائے راشدین۔

طرف توجہ نہ فرما سکتے تھے لیکن اگر تعمق سے دیکھا جائے تو اس اعتراض کی بنا ہی سرے سے فاسد ہے۔

اگر سیاست سے مراد آج کل کی اصطلاح میں ڈپلومیسی ہے تو یقیناً آپ کی ذات اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ ڈپلومیسی میں جائز و ناجائز ہر ذریعے سے حریف کو زک دینا روا سمجھا جاتا ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی دیانت ایک ثانیہ کے لے بھی ایسی پالیسی کو پسند نہیں کر سکتی تھی۔ خود فرماتے ہیں لَوْلَا الدِّیْنُ لَکُنْتُ اَدْھَی النَّاسِ۔ اگر دین کی پابندی نہ ہوتی تو میں سب سے بڑا زیرک شخص ہوتا۔

اور اگر سیاست صحیح حکمرانی کا نام ہے جو علی منہاج النبوۃ ہو تو آپ کی سیاست دانی اور سیاست رانی نہایت کامل اور استوار تھی۔ آپ کے خطبات، فرامین اور مراسلات جو آپ نے اپنے عمال کو روانہ فرمائے ہیں اور جن میں جہانبانی کے چھوٹے اور بڑے تمام جزئیات کو برابر پیش نظر رکھتے ہوئے برابر ان کے طریق عمل پر نکتہ چینی کی ہے، صاف بتا رہے ہیں کہ آپ ایک عظیم الشان حکیم سیاست تھے جو علمی اور عملی ہر اعتبار سے صحیح سیاست کی راہ پر گامزن تھے۔

ایک موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اور دوسرے موقع پر امام حسن رضی اللہ عنہ کے شبہات کے جواب میں حضرت نے جو تقریر فرمائی ہے وہ ہمارے دعوے کی شاہد ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ خانہ جنگیوں میں گھرے رہے اور آپ کے عہد میں انتظامات ملکی اور فتوحات خارجی کی جانب کوئی توجہ نہ کی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان کے آخر عہد میں مروان اور دوسرے فسادی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے حالات اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ آپ کو ایک لمحے کے لیے اطمینان نہیں ملا، مگر اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کیا قصور؟ آپ نے جس قدر حالات کو سنبھالا، دوسرے کے لیے یہ بھی مشکل تھا۔ خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انھی دشواریوں کی بنا پر خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ جس وقت آپ نے عنان خلافت دست اقدس میں لی ہے، یہ منصب پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر بن چکا تھا۔ ان مشکلات کو دیکھ کر کوئی دوسرا جنرل ہوتا تو اوسان کھو بیٹھتا۔ ان

نامساعد حالات کے باوجود حضرت ہی کا حوصلہ و تدبر تھا کہ ایک طرف اصحاب جمل [1] جیسے باوقار حضرات سے نبٹ رہے ہیں۔ دوسری طرف شام کی بااقتدار پارٹی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ تیسری طرف خوارج جیسے ضدی جنگ جوؤں سے نبرد آزما ہو رہے ہیں اور حریفوں کو شکست پر شکست دے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ دوسرے اہم امور سے بھی غافل نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم تواریخ میں پڑھتے ہیں کہ آپ اپنی خلافت میں برابر عمال پر احتساب، محاصل کی نگرانی۔ مسلم و غیر مسلم رعایا پر شفقت فرماتے تھے۔ اسی کے ساتھ کرمان و فارس کی بغاوتوں کا فرو کرنا اور سیستان اور کابل کی مہموں کو سرانجام دینا آپ کی خلافت کا کارنامہ ہے۔ مسلمان تو آپ کے طریق حکومت کے مداح تھے ہی، غیر مسلم بھی پکار اٹھے کہ اس عرب نے نوشیروانی طرز حکمرانی کی یاد تازہ کر دی۔ جو لوگ آپ کی حکومت کو کثرت فتوحات کے پیمانے سے ناپتے ہیں، وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں جس کی طرف علامہ جلیل حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے، ان کو کیسے دکھایا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے جب اس قسم کی باتیں میرے کانوں میں پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی پچھلی زندگی پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کی ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادسیہ میں جو کامیابی مسلمان کو نصیب ہوئی کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہو سکتی تھی؟ وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست ان کے دشمنوں کو اٹھانا پڑی لیکن یرموک کی خوشی پر شادیانے بجانے والوں سے کوئی پوچھے کہ ارے محسن کشو، یرموک تک تم پہنچ بھی سکتے

---

[1] اصحاب جمل کو سخت شکست دینے کے بعد جب حضرت صفین میں نبرد آزما ہوئے تو آخر میں قریب تھا کہ فتح آپ کے قدموں کو بوسہ دے لیکن نیزوں پر قرآن بلند کرنے کی چال کام کر گئی اور آپ کی فوج میں تفرقہ پڑ گیا۔ جنگ نہروان کے متعلق مؤرخین کا بیان ہے کہ اگرچہ خوارج بڑی دلیری سے لڑے، مگر شیر خدا کے مقابلہ میں ان کا یہ حال ہوا کہ گویا کسی نے ان کو حکم دیا ہو۔ موتوا، فماتوا (مر جاؤ پس سب مر گئے)

تھے اگر کھولنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کے دروازوں کو نہ کھول دیتا؟

ممکن ہے کوئی سوال کرے کہ ان اعلیٰ کمالات انسانی کے ہوتے ہوئے کیا وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خانہ جنگیوں اور الجھنوں میں گزرا۔ ہمارے خیال میں اس کی کئی وجوہات ہیں:

(1) آپ کے زمانے میں حالات اتنے بدل گئے تھے اور اموی اس قدر با اقتدار ہو گئے تھے کہ اس سیلاب کا روکنا آسان نہ تھا۔ کسی نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعتراضاً کہا کہ حضرات شیخین کے دور میں یہ انتشار نہ تھا جو آپ کے دور میں ہے تو فرمایا کہ ان کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔ یاد ہو گا کہ جب ایک لغزش پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بااثر اور فاتح جنرل کو معزول کیا تو انھوں نے بے چون و چرا دربار خلافت کے احکام کے سامنے سر جھکا دیا۔ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جرأت قابل ستائش ہے کہ جس امر کو صحیح سمجھا، اس کو فوراً نافذ کر دیا، وہاں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بے نفسی بھی لائق تعریف ہے کہ کمانڈر کی بجائے معمولی سپاہی کا درجہ قبول کر لیا لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ نے جناب معاویہ کو برطرف کیا تو معاویہ ایثار کا ایسا نمونہ پیش نہ کر سکے۔

(2) حضرت علی رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں اپنے بھائی تک کے ساتھ بے جا مراعات جائز نہ سمجھتے تھے اور بیت المال کا ایک جبہ بھی غیر مستحق کو دینا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ اس وجہ سے آپ کا ساتھ چھوڑ گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی بنا پر آخر میں کشیدہ ہو گئے لیکن امیر معاویہ اپنے طرفداروں پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے فرمایا ہے حق پسندی نے انکو بے یار و مددگار کر دیا ہے۔ یہی حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا جس کی وجہ سے لوگ چنداں آپ کے گرویدہ نہ تھے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ آپ نے فوج کو احکام بھیجے اور وہ سستی یا سرتابی سے پیش آئی لیکن شامی فوج اطاعت میں ضرب المثل تھی۔

(3) امیر معاویہ کا شمار عرب کے دہاۃ (زیرک لوگوں) میں تھا۔ سوء اتفاق سے عرب

کے تین اور زیرک ان کے جاں نثار اور مددگار تھے۔ یعنی جناب مغیرہ بن شعبہ، جناب عمرو بن عاص اور زیاد بن ابیہ، اول الذکر کا ولی عہدی یزید کی تحریک میں اور ثانی الذکر کا نیزوں پر قرآن بلند کرانے اور تحکیم میں جو رول رہا، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس کے علاوہ زیاد جس ذلیل طبیعت کا انسان تھا، اس کا گذشتہ اوراق سے اندازہ ہوا ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان باتوں کو سمجھتے تھے جیسا کہ آپ کے خطبات وغیرہ سے ظاہر ہے، مگر اس طرز کو اچھا نہ جانتے تھے اور اپنے بلند اصولوں سے نیچے آنا پسند نہ فرماتے تھے۔

(4) حضرت علی کے ہاتھ سے غزوات میں جو لوگ قتل ہوئے تھے، ان کے قرابت دار آپ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کی شان یہ ہے کہ سمندر لاکھ طغیانی پر ہو۔ آندھیاں ہزار آئیں اور کوہ پیکر موجیں آسمان سے ٹکرائیں، مگر آپ اپنی اور اپنے رفقاء کی کشتی طوفانی دھارے کے مقابلے میں کھینچتے ہوئے ساحل نجات کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَرَكَهَا غَرَقَ۔ اس پاکیزہ سیرت اور بلند فطرت انسان پر اتہام لگانا روایت و درایت کا خون کرنا اور انصاف و دیانت کا گلا گھونٹنا ہے اور آپ کے مقابلے میں امیر معاویہ کو لانا بلکہ یک گونہ برتر ٹھہرانا ایسی جسارت ہے جس کی ایک سچے مسلمان سے ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور جس کے دوسرے ارکان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور جناب حسنین رضی اللہ عنہما ہیں) کی فضیلت میں بعض احادیث اوپر نظر سے گزری ہوں گی۔ اب مزید فضائل ملاحظہ ہوں۔

"عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَ: اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَهْلِ بَیْتِهٖ" (بخاری)

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے سلسلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی حفاظت کرو"۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! میں بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا پیامبر (ملک الموت) آئے اور میں اسے لبیک کہوں۔ پھر فرمایا:

"وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ..... وَاَهْلُ بَيْتِيْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ" (مسلم)

"میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں پہلی کتاب اللہ ہے اور دوسری میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں"۔

بعض صحیح روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں۔ نیز صحاح میں مروی ہے کہ جب آیہ انما یرید اللہ..... الخ۔ (اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر طرح کی آلائش کو دور رکھے اور تمھیں پاک و صاف بنا دے جیسا کہ بنانے کا حق ہے) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کو چادر سے ڈھک لیا اور کہا اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور خاص عزیز ہیں ان سے ہر آلائش کو دور رکھ اور ان کو پاک و صاف بنا دے۔ اس وقت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا نبی اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں جواب دیا تم اپنی جگہ ٹھہرو اور تم نیک راہ پر ہو۔

ان کے علاوہ صحاح میں ایسی احادیث بھی جن میں تعین کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا جناب حسنین رضی اللہ عنہما کا نام نامی آیا ہے متعدد ملتی ہیں۔ صحیحین اور ترمذی کی حدیث ہم نقل کر آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا۔ اے خدا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔

ترمذی میں حضرت انس سے مروی ہے کہ

"سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَيُّ اَهْلِ بَيْتِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ؟ فَقَالَ الْحُسَيْنُ وَكَانَ يَقُوْلُ لِفَاطِمَةَ اُدْعِيْ عَلَيَّ ابْنَيَّ فَيَشُمُّهُمَا وَيَضُمُّهُمَا اِلَيْهِ"

''نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے پیارا کون ہے؟ فرمایا حسین۔ آپ ﷺ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے میرے فرزندوں کو بلاؤ اور جب وہ آتے تھے تو ان کی خوشبو سونگھتے اور سینے سے لگاتے تھے''۔

نیز ترمذی میں ہے:

''حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ''

''حسین رضی اللہ عنہ میرے ہیں اور میں حسین رضی اللہ عنہ کا۔ خدا اسے دوست رکھے جو حسین رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے۔ حسین رضی اللہ عنہ بذات خود ایک امت [1] ہیں۔ امتوں میں سے''۔

''ایضاً۔ اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ''

''حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ جوانان جنت کے سردار ہیں''۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے:

''ھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا''

''یہ دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں''۔

ابن کثیر نے امام کی شہادت کے سلسلے میں متعدد روایات نقل کی ہیں مثلاً

''عَنْ اَنَسِ بْنِ حَارِثٍ قَالَ النَّبِیُّ اِنَّ ابْنِی یُقْتَلُ بِاَرْضٍ یُقَالُ لَھَا کَرْبَلَاءُ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمْ ذٰلِکَ فَلْیَنْصُرْہُ''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بن حارث کہتے ہیں کہ نبی ﷺ خدا نے فرمایا کہ میرا فرزند (حسین) ایک سرزمین میں جس کا نام کربلا ہے شہید ہوگا۔ پس جو اس موقع پر حاضر ہو اس کی مدد کرے''۔

چنانچہ ان بزرگ نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں جان دی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ

---

[1] جیسے انگریزی میں کہتے ہیں: He is a Class by Himself.

وَرَضُوْا عَنْهُ۔

یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد (کربلا کی طرف سے گزرتے ہوئے)

"یُقْتَلُ هٰهُنَا شُهَدَاءُ هُمْ خَيْرُ الشُّهَدَاءِ غَيْرِ الصَّحَابَةِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ"

"اس جگہ ایسے لوگ شہید ہوں گے جو صحابہ کو چھوڑ کر سب سے بہتر شہید ہوں گے وہ لوگ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حضور کو خواب میں غبار آلود اور پریشان دیکھنا اور آپ کے دست مبارک میں ایک شیشی کا ہونا جس میں خون حسین رضی اللہ عنہ جمع تھا نیز یہ فرمانا کہ اَرْفَعُهُمَا اِلَى اللّٰهِ (میں یہ شیشی اور خون خدا کے حضور میں پیش کروں گا) امام احمد رحمۃ اللہ نے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسنادہ قوی (اس کی سند قوی ہے) اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خبر شہادت حسین رضی اللہ عنہ سن کر قاتلوں کے حق میں یہ بددعا کرنا کہ مَلَا اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ عَلَيْهِمْ نَارًا (خدا ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے) اور غش ہو جانا بھی منقول ہے۔

غرض آپ کی قربت و محبوبیت عند الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلّم ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ نے جو فضائل، اخلاق اور اوصاف آپ کے ہم تک پہنچائے ہیں، وہ آفتاب سے بڑھ کر درخشاں ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ تربیت کے بعد کیا یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ سبطین کریمین اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ اگر تفصیل درکار ہو تو تاریخ کے اوراق الٹیے، معلوم ہوگا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عبادت، سخاوت، انکسار و ایثار، حیرت و استقلال کا پیکر تھے۔ یزید کے خلاف اقدام میں بھی حضرت کا طریق عمل اوّل سے آخر تک دیانت و صداقت کا آئینہ تھا۔

اگرچہ آپ اپنے برادر معظم کی تفویض خلافت کے خلاف تھے لیکن جب صلح ہو گئی تو آپ نے جناب معاویہ کی حکومت کے خلاف ایک حرف نہیں کہا، البتہ جب موصوف نے

خلاف معاہدہ اپنے شراب خوار بیٹے کی ولی عہدی کی کوشش کی تو آپ نے علانیہ اس سے اختلاف فرمایا۔ یزید کی مسند نشینی پر آپ اسی انکار پر قائم رہے اور وطن چھوڑ کر خانہ خدا میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اسی زمانے میں ادھر اہل کوفہ نے بار بار تاکیدی خطوط بھیجے کہ ہم نے یزید سے بیعت نہیں کی۔ آیئے اور ہماری رہنمائی فرمایئے۔ ادھر آپ کی گرفتاری کے لیے مخفی طور پر آدمی روانہ کئے گئے تھے۔ جیسا کہ خود امام کا ارشاد ہے۔ لَوْ لَمْ اُعَجَّلْ لَاُخِذْتُ (اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔ ❶)

آخرت حضرت نے امر بالمعروف ❷ کرنے اور کلمۃ الحق ❸ عند سلطان جابر کہنے کا فرض اپنے ذمہ لیا۔ دوسرے اصحاب یزید کے افعال شنیعہ سے یا تو واقف نہ تھے یا واقف تھے، مگر مجبور تھے۔ بہر حال ملت اسلامیہ نے ان کے لیے رخصت رکھی ہے، مگر عزیمت کا فخر صرف امام علیہ السلام کے حصے میں آیا۔ جب حر سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنا نصب العین ان الفاظ میں واضح فرما دیا۔

''لوگو! رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے، جو ظالم ہو، حرام کو حلال سمجھتا ہو، عہد خدا کو توڑتا ہو، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتا ہو اور بندگان خدا کے ساتھ ظلم و سرکشی سے پیش آتا ہو اور پھر فعلاً یا قولاً اس پر اعتراض نہ کرے تو خدا اس کو بھی اسی کے اعمال میں شریک کرے گا۔ سنو! ان حکام نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ خدا کی اطاعت

---

❶ جن لوگوں کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے وجود کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ حالانکہ اول الذکر بزرگ دست برداری بھی کر چکے تھے اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

❷ مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو گناہ کو دیکھے وہ اس کو ہاتھ سے مٹا دے اور اگر ممکن نہ ہو تو زبان سے مٹا دے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے۔ ابو داؤد و ترمذی میں ہے کہ اگر لوگ ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں گے تو خدا ان پر عذاب کرے گا۔

❸ حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا جہاد وہ کلمۂ حق ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے (ایضاً) سید الشہداء والی روایت

کو ترک کر دیا ہے۔ فساد کو ظاہر، حدود شرع کو معطل، غنیمت کو غصب، حرام خدا کو حلال۔ حلال خدا کو حرام کر رکھا ہے۔ ان پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ مجھے حق ہے۔'' علاوہ بریں آپ کا خطبۂ عاشورا آپ کے مؤقف کا بالکل سچا ترجمان ہے۔ آپ کی صداقت کی شان یہ تھی۔ دوستوں پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ مسلم کی خبر شہادت سن کر آپ نے رفقاء کو واپسی کی اجازت دے دی اور شب عاشورا آپ نے ان کا شکریہ ادا کر کے ان کو اپنا ساتھ چھوڑ کر رات میں نکل جانے اور اہل بیت رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لے لینے کی ہدایت کی۔ دشمنوں سے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ انصار کے مشورے کے باوجود آپ نے حر کی قلیل جماعت پر حملہ کرنے یا دوسرا راستہ اختیار کرنے سے انکار فرمایا۔

الحاصل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے گنتی کے اقارب و انصار نے حقانیت، عزیمت، جرأت حمیت، راست کرداری اور فداکاری کا وہ سبق پیش کیا ہے جس پر ملت بیضا ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس اقدام کو بغاوت [1] اور اس بسالت کو تہور وہی کہے گا جسے خدا نے چشم بصیرت سے محروم کر دیا ہو۔ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جو یہاں راہ حق نہ دیکھے گا اس کو آخرت میں بھی نجات کا راستہ نہ سوجھے گا۔ مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو جن نفوس قدسیہ کو خدا نے پاک بنایا۔ رسول ﷺ نے کتاب اللہ کا رفیق ٹھہرایا۔ جن سے حضور ﷺ اس قدر محبت کرتے کہ اپنا جزو قرار دیتے بلکہ حق تعالیٰ سے عرض کرتے کہ ان سے اور ان کے محبوں سے محبت کر۔ جن کی نصرت کی تاکید فرماتے۔ جن کو اپنی دنیا کا

---

[1] کیا یہ جائز ہے کہ ایک صحابی زادے کو بچانے کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو جو صحابی اور اہل بیت ہونے کے دوہرے شرف سے مشرف ہے، مطعون کیا جائے۔ بلکہ معاذ اللہ سردار جوانان جنت کو میتۃً جاھلیۃً (جاہلیت کی موت) کا جو باغیوں کی سزا ہے، مصداق قرار دیا جائے۔ پھر ان مہاجرین و انصار کو کیا کہیے گا، جنھوں نے جنگ حرہ میں یزید کی مخالفت میں حصہ لیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ یزید ایک بادشاہ تھا جس کی ولایت زبردستی امت کے سر منڈھ دی گئی جو پہلے سے بداعمال تھا اور جس کی حکومت ملک عضوض (کاٹ کھانے والے بادشاہی) کی مترادف تھی۔ ایسے ننگ اسلام کے خلاف ہر صاحب عزیمت انسان کو اقدام کرنا ہر طرح جائز تھا۔

پھول اور جنت کا سردار بتاتے۔ جن کی شہادت پر خواب میں ماتم کناں نظر آئے۔ جن کے قاتلوں کو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے دوزخی ہونے کی بددعا دی۔ ممکن نہیں کہ وہ حب جاہ اور گناہ بغاوت کے مرتکب ہوں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یا تو امام بخاری اور دوسرے جامعین صحاح شیعی یا سبائی تھے جو ان حضرات کے فرضی مناقب تصنیف کر گئے یا عیاذاً باللہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور دعائیں غلط تھیں۔ یا پھر یزید اور اس کے عمال ہی ظالم و فاسق تھے جن کے حق میں حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے صاف صاف فرمایا لعنة اللّٰه علیه وعلی اعوانه ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک یزید کو بچانے کے لیے تمام اکابر امت کی تضلیل اور اجماع اہل سنت کی تردید کا مظلمہ اپنے سر لینا کہاں کی دیانت و دانائی ہے۔

اگر تاریخی زاویہ نگاہ سے نظر کی جائے تو بھی امام ہمام کا مؤقف بالکل صحیح اور واضح ہے۔ آپ برای العین دیکھ رہے تھے کہ اموی گروہ جس راہ پر گامزن ہے، وہ آپ کے جد بزرگوار کے مسلک سے کوسوں دور ہے، اس لیے اس پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ آپ کو حق [1] تھا۔ اگر آپ کا احتجاج اور ایثار غیر صحیح تھا تو لازم آئے گا کہ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ہزاروں مردان حق نے حق کی خاطر جو جدوجہد کی اور جو زبردست قربانیاں پیش کیں، وہ سراسر بے حاصل بلکہ بغی و معصیت میں داخل تھیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر اور سن کر مسرت ہوتی ہے کہ معدودے چند ناصبی خیال افراد کو چھوڑ کر تمام اہل سنت سے عموماً اور علمائے دیوبند، علمائے بدایوں و بریلی جمیعۃ العلمائے ہند، جمیعۃ العلمائے پاکستان اور جماعت اسلامی نے خصوصاً اس گمراہ کن کتاب (خلافت معاویہ و یزید) سے نفرت کا اظہار کیا۔ نیز حکومت پاکستان اور حکومت دہلی نے اس کو تفرقہ انگیز ٹھہرا کر ممنوع الاشاعت قرار دیا۔ بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب نے ملت کے اعلیٰ مفاد کو مجموعی طور پر نقصان ہی پہنچایا۔ یعنی ایک گروہ جس کی نظر احادیث سیر پر گہری نہیں ہے، اس کے باطل اور تحریف آمیز بیانات کو صحیح سمجھ کر بہک گیا یا شک میں پڑ گیا۔ دوسرا گروہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ اہل سنت کا مذہب

---

[1] جیسا کہ اوپر کے بیان میں خود امام نے فرمایا۔

خاندان رسول ﷺ کو برباد کرنے والوں اور حرم رسول وحرم خدا کی بے حرمتی روا رکھنے والوں کو لائق احترام جانتا ہے۔

اس کے علاوہ خلافت معاویہ و یزید جیسی دلآزار کتاب کا دلآزار جواب جو حال میں شائع ہوا ہے۔ اس کا مظلمہ اور مسلمانوں کے دو فرقوں میں مخالفت کی خلیج وسیع سے وسیع تر کرنے کا مواخذہ بھی مؤلف کے سر ہے کہ البادی [1] اظلم۔ مؤلف مذکور کی نیت جو کچھ بھی رہی ہو احقاق حق ہرگز نہیں ہو سکتی۔

مسلمانو! یہ تمھاری غیرت دینی وحمیت اسلامی کے امتحان کا موقع ہے۔ دنیا دیکھنا چاہتی ہے کہ آیا تم ظالم باطل کا ساتھ دینا پسند کرو گے یا مظلوم حق کا؟ تم طاغوت اور طغیان کے ذلیل جذبات کو سراہو گے یا انسانیت اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کو؟ دوسرے الفاظ میں تم یزید کو دلیل راہ بناؤ گے یا حسین علیہ السلام کو؟

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ (البقرہ: 61) [2]

---

[1] ابتدا کرنے والا زیادہ قصوروار ہے۔

[2] ترجمہ: ''کیا تم بہتر چیز چھوڑ کر اس کے بدلے ادنیٰ چیز لو گے''۔ (قرآن)

قول سدید

ڈسٹری بیوٹر خانقاہ چشتیہ
خانوہاری شریف 03007863154